محمد اعجاز صابر

صدر شعبۂ اُردو بلوچستان ریزیڈنشیل کالج، خضدار

ڈاکٹر انعام الحق کوثر: حیات و اُردو ادبی خدمات

Muhammad Ejaz Sabir

Head Of Urdu Department,Balochistan Residential College Khuzdar

Dr.Inam-ul-Haq Kausar: Life and Urdu Litrary Work

The contribution of Dr Inam-ul-HaqKausar (1931-2014)for the progress of Urdu Language and Literature in the educationally less developed province, Balochistan is remarkable. He chose the field of research in perspective of Balochistan in its vast field of studies and with his busy schedule of teaching and other administrative responsibilities ,wrote a hundred of research papers in Urdu on different topics related to the soil of Balochistan especially about History of Urdu in Balochistan, Study of Iqbal in Balochistan, Pakistan movement of freedom and History of Muslim League in Balochistan, Persian poetry in Balochistan and History of Muslim religion and related areas. Nearly 100 books are present on his profile These books are being used as source material and research references while doing research in Balochistan perspective. Some of these books are included in the Master's level syllabus of Balochistan University. These books have an History of Balochistan in the fields of Urdu language and literature, Persian poetry, Journalism, Education, study of AllamaDr. Muhammad Iqbal, Life of Holy Prophet Hazrat Muhammad Peace Be Upon Him .He wrote all these papers and books while serving as a teacher at different far flung areas of the Province.He participated in a number of national and international conferences held on various occasions representing Balochistan and presented his research papers.

ڈاکٹر انعام الحق کوثر (۱۹۳۱۔۲۰۱۴) بھارتی مشرقی پنجاب کے ضلع جالندھر کی تحصیل نکودر کے موضع کنیاں کلاں میں یکم اپریل ۱۹۳۱ء کو پیدا ہوئے۔(۱) ان کے تایا شاہ دین نے ان کا نام محمد انعام الحق رکھا۔ ہجرت کے بعد پاکستان آئے تو محمد انعام الحق جالندھری لکھنے لگے۔ بعد میں قلمی نام انعام الحق کوثر اختیار کیا۔ ان کے والد میاں محمد مقبول مقامی اسکول میں مدرس تھے اور فارغ اوقات میں حکمت بھی کرتے تھے، لیکن انھوں نے اپنی درویشانہ طبیعت کے باوصف حکمت کو ذریعہ معاش نہیں بنایا، بل کہ وہ علاقے کے لوگوں کا خدمتِ خلق کے جذبے سے علاج معالجہ کیا کرتے تھے۔ مذہب کی طرف ان کا خاص لگاؤ تھا، نہ صرف پانچ وقت کی نماز پابندی سے ادا کرتے تھے، بل کہ زمانۂ شباب سے تہجد اور اشراق کی نمازیں بھی باقاعدگی سے پڑھا کرتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ اسکول پہنچ کر تازہ وضو کر کے دو رکعت نمازِ نفل ادا کرتے، قرآن پاک کے ایک، دو رکوع کی تلاوت کرنے کے بعد طلبہ کی اجتماعی دعا کرواتے اور اس کے بعد درس و تدریس کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوتا۔ مذہب کی طرف یہ رجحان انھیں ورثے میں ملا تھا۔ ان کو اللہ نے دو اولادوں محمد انور اور محمد انعام الحق سے نوازا۔ بڑے بیٹے محمد انور رومان یکم اکتوبر ۱۹۲۴ء کو نکودر میں پیدا ہوئے۔(۲) میاں محمد مقبول نے اپنے دونوں بیٹوں محمد انور رومان اور محمد انعام الحق کو نہ صرف اسکول میں داخل کروایا، بل کہ خود بھی ان کی تعلیم میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ دونوں بھائیوں کی پرورش علمی و ادبی اور مذہبی ماحول میں ہوئی۔ ان کے والد صاحبِ ذوق انسان تھے۔ وہ سال میں ایک بار علاقے کے بڑے بڑے علماء و فضلاء اور نعت خوانوں کو مدعو کر کے بڑی مسجد میں ایک اجتماع کا اہتمام کرتے تھے۔ اس اجتماع میں نعت خوانی کے ساتھ ساتھ علماء وعظ کرتے، تقریریں ہوتیں اور علمی بحث و مُباحثہ ہوتا۔ یہ انعام الحق کے بچپن کا زمانہ تھا۔ وہ اس موقع پر بہت خوش ہوتے۔ وہ پھولوں کے ہار تیار کرتے، مہمانوں کے لیے ناشتہ اور کھانا پہنچاتے اور ان جلسوں میں شروع سے لے کر آخر تک بیٹھے تقریریں اور نعتیں غور سے سنا کرتے اور یہیں سے اُن کے اندر علم و ادب سے محبت پیدا ہوئی۔ وہ ان جلسوں کا سال بھر انتظار کیا کرتے اور ان میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے۔

انعام الحق کوثر کے والد تو درویش منش انسان تھے ہی، ان کی والدہ بھی نیک صفت خاتون تھیں۔ پانچ وقت کی نمازیں ادا کرنا ان کے معمولات میں شامل تھا، عشاء کی نماز رات کو دیر سے پڑھنے کے بعد اکثر جائے نماز پر ہی سو جایا کرتیں۔ صبح سویرے اُٹھ کر کام کرتے ہوئے بھی بچوں نے جب ان کو دیکھا سورہ حم السجدہ، سورہ الرحمن، سورہ واقعہ، سورہ مزمل یا سورہ ملک کی تلاوت کرتے ہی پایا۔ والد صاحب کی تربیت، گھر کا علمی و ادبی ماحول اور

ایسی نیک صفت والدہ کی آغوش میں پرورش پانے والے بچوں پر علم و ادب سے محبت پیدا ہونا ایک فطری عمل تھا انعام الحق نے اپنی ابتدائی تعلیم پرائمری اسکول رانوت سے حاصل کی۔(۳)

ان کے اسکول میں بنیادی سہولتوں کا فقدان تھا۔ بیٹھنے کے لیے ٹاٹ تک میسر نہ تھے اور بجلی کا بھی نام و نشان نہیں تھا۔ ان سہولتوں کے فقدان کے باوجود انعام الحق حصول علم میں مگن رہے۔ وہ تمام مضامین دلچسپی سے پڑھتے تھے، لیکن ان کا پسندیدہ مضمون اُردو تھا۔ ابھی وہ دوسری جماعت کے طالب علم تھے کہ انھوں نے تقریری مقابلوں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔(4)

ڈاکٹر انعام الحق کوثر کے والد ایک معلم تھے۔ والدہ قرآن پاک کی تعلیم سے بہرہ ور تھیں۔ اور ان کے گھر کا ماحول علمی و ادبی تھا۔ ان کے ماموں، سردار محمد ریاض نے اس زمانے میں بی۔اے کیا ہوا تھا، جب کہ دوسرے ماموں اسلم جالندھری لاہور سے جاری ہونے والے بچوں کے ایک میگزین "پریم" کے نائب مدیر ہوا کرتے تھے۔(۵) ان کے یہ ماموں انھیں بچوں کے رسالے لا کر دیا کرتے تھے۔ اس طرح گھر پر ہر ہفتے ادبی رسائل دستیاب ہوتے تھے۔ انھیں خود بھی مطالعے کا شوق تھا۔ اسی لیے انھیں جو جیب خرچ ملتا، اس میں سے بچت کر کے بچّوں کے رسالے خرید لیا کرتے اور ان کا مطالعہ کرتے۔ لاہور سے شائع ہونے والے بچوں کے رسالے" پُھول" اور "پریم" اور بجنور سے نکلنے والا بچوں کا رسالہ "غنچہ" اکثر منگوایا کرتے اور بڑے ذوق و شوق سے ان کا مطالعہ کرتے تھے۔(۶)

بچوں کے انہی رسالوں کے مطالعے سے ان میں مطالعہ کرنے، سیکھنے اور کُچھ کر دکھانے کا جذبہ پیدا ہوا۔ پانچویں جماعت میں ہی انھیں فارسی زبان سے آشنائی ہو گئی تھی۔ ایک تو گھر کے ماحول کا اثر تھا اور دوسرا اسکول میں اساتذہ بھی ایسے ملے تھے، جنھیں علم و ادب سے خاصا لگاؤ تھا۔ علم و ادب سے موروثی محبت اور تعلیمی ماحول نے انعام الحق کوثر کی ذہنی پرداخت میں اہم کردار ادا کیا۔ مطالعہ کے شوق کے ساتھ اُنھیں تقریریں کرنے اور لکھنے کا شوق بھی بچپن ہی سے پیدا ہوا۔ ۱۹۴۳ء میں جب ان کی عمر بارہ برس تھی، انھوں نے پہلا مضمون تحریر کیا، جو بجنور یو پی کے ہفت روزہ رسالہ "غنچہ" میں شائع ہوا۔ ان کی اس پہلی تحریر کا عنوان تھا "اپنی اصلیت کو نہ بھولو" ۔(۷) مضمون کے عنوان سے ظاہر ہے کہ بچے کی تربیت کس قسم کے ماحول میں ہو رہی تھی اور بچہ اس ماحول کا کیا اثر قبول کر رہا تھا۔ اس پہلی تحریر کے شائع ہونے سے ان کی حوصلہ افزائی ہوئی اور مزید لکھنے لکھانے کی طرف ان کی طبیعت مائل ہوئی۔

انعام الحق کو قدرت نے سننے ، سمجھنے اور بیان کرنے کی عمدہ صلاحیتوں سے نوازا تھا، اور ساتھ ہی ان میں ایک تحقیق کار کی خوبیاں بھی بھر دی تھیں۔ چیزوں کی کھوج لگانے اور ان کی تہہ تک پہنچنے کا مادہ بچپن ہی سے موجود تھا۔ ان کے اندر موجود محقق کا سراغ، آٹھویں جماعت میں پیش آنے والے ایک معاملے کا کھوج لگانے پر ان کے اسکول کے ہیڈ ماسٹر نے لگایا تھا۔ معاملہ کچھ اس طرح تھا کہ اسکول کے بزم ادب کے انچارج اور اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب کے درمیان اختلافات کی بنیاد پر تھوڑی ان بن ہو گئی۔ اس دوران بزم ادب کے انچارج نے ایک قلمی رسالہ نکالا، رسالے میں اسکول کے کسی طالب علم کی ایک غزل شامل کی، جس کے ایک شعر کے ایک مصرعے نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔

شعر کا مصرع تھا— ع میں کسی نااہل کو سر پر بٹھاؤں، یہ ہو نہیں سکتا۔

ہیڈ ماسٹر کا موقف تھا کہ انھیں نااہل کہا گیا ہے اور یہ ساری سازش بزمِ ادب کے انچارج کی ہے، جنھوں نے اپنی غزل طالب علم کے نام سے شائع کروائی ہے۔ بزمِ ادب کے انچارج اور اسکول کے ہیڈ ماسٹر کے درمیان تعلقات مزید کشیدہ ہو گئے۔ انعام الحق کو تشویش تھی کہ جس طالب علم کے نام سے غزل شائع ہوئی ہے، وہ کسی طور اس کا اہل دکھائی نہیں دیتا تھا اور بزمِ ادب کے انچارج، استادِ محترم بچوں کی طرح معصوم دکھائی دیتے تھے، اور لگتا نہیں تھا کہ وہ اس طرح کی حرکت کے کرتے، جب کہ ہیڈ ماسٹر صاحب کسی بھی ثبوت کے بغیر کچھ ماننے کو تیار نہیں تھے۔ انعام الحق اصل معاملے کی چھان بین میں لگ گئے۔ آخر کار ان کی تحقیقی طبع کام آئی اور انھیں راہ ملنے لگی۔ ہوا یوں کہ وہ قریبی گاؤں کے اسکول کسی کام سے گئے۔ کتابیں پڑھنے کا شوق کھینچ کر لائبریری کی طرف لے گیا، وہاں کتابیں اور رسالے بکھرے پڑے تھے، ورق گردانی کے دوران ان کی نظر ایک رسالے میں اُسی غزل پر پڑی، جو بزمِ ادب کے رسالے میں شائع ہوئی تھی اور نزاع کا سبب بنی تھی۔ اب راز کھلا کہ اس طالب علم نے یہ غزل اپنے نام سے اسکول کے قلمی رسالے میں پیش کر دی تھی۔ اتفاق تھا کہ غزل کے اشعار کچھ ایسے تھے کہ اسکول کے ہیڈ ماسٹر کے دل میں گمان پیدا ہوا کہ یہ غزل بزم ادب کے انچارج نے اُن کے خلاف طالب علم کے نام سے شائع کروائی ہے۔ انعام الحق نے لائبریری سے رسالہ مستعار لیا اور اپنے ہیڈ ماسٹر صاحب کے سامنے لے جا کر رکھ دیا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کی سمجھ میں سارا معاملہ آ گیا۔ انھوں نے بزم ادب کے انچارج کو بلا کر ان سے معذرت کی اور انعام الحق کا ماتھا چوم کر اسکول کے اساتذہ کے سامنے انعام الحق کے بہت بڑا محقق بننے کی پیش گوئی کی۔ (۸) یہ واقعہ ۱۹۴۴ء میں پیش آیا اور اسکول کے ہیڈ ماسٹر رحمت علی نازش تھے۔ (۹) رحمت علی نازش مرحوم نے انعام الحق کو اِس موقع پر انعام سے بھی نوازا۔

ایک تو انعام الحق کوثر کے گھر کا ماحول خالص ادبی تھا اور دوسرا ایسے اساتذہ حصے میں آئے، جو علم و ادب سے خاص لگاؤ رکھتے تھے۔ اُس زمانے میں، جو استاد محترم انھیں اُردو پڑھایا کرتے تھے، وہ مرزا غالب کی شاعری کے دلدادہ تھے۔ چناں چہ یہ استاد محترم اپنے روز کے درس کا آغاز غالب کے کسی نہ کسی شعر سے کیا کرتے اور جیسے ہی چھٹی کی گھنٹی بجتی، غالب کی کسی غزل کا کوئی نہ کوئی شعر ضرور سنایا کرتے تھے۔(۱۰) ان کے اکثر اساتذہ علی گڑھ کے فارغ التحصیل تھے۔ جن کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ انعام الحق کوثر کم عمری ہی میں تقریری مقابلوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے۔ ۱۹۴۵ء میں انھوں نے اسکول کے ''بہترین مقرر'' کا انعام وصول کیا۔ (۱۱) ۱۹۴۶ء میں میٹرک کا امتحان اسلامیہ ہائی اسکول ننگل انبیاء سے پاس کیا۔ (۱۲) ۷/ جولائی ۱۹۴۶ء کو ان کے استاد محترم اور اسکول کے ہیڈ ماسٹر رحمت علی نازش نے تعریفی رقعہ دیا۔ جس میں انھوں نے لکھا:

''مسٹر انعام الحق، جس نے امسال سکول ھذا سے انٹرنس کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا ہے، درجہ پنجم سے دہم تک چھ سال میری زیر نگرانی اردو زبان کا مطالعہ کرتا رہا ہے۔ قدرت نے اسے ادب کا نہایت شستہ اور پاکیزہ مذاق عطا فرمایا ہے۔ اُس نے چھوٹی سی عمر میں جدید و قدیم ادبیات کی غیر معمولی بہاریں دیکھی ہیں۔ اس کی اردو تحریر میں ندرت و شگفتگی کے علاوہ ادب کی نئی راہوں کے تقاضے پائے جاتے ہیں اور زندگی کی حسین جھلکیاں ہمعناں و ہم رکاب نظر آتی ہیں۔ ذہین و طباع ادیبوں کی صحبت نے اسے مستقل ادبی فضا مہیا کر دی ہے اور کوئی دن جاتا ہے کہ انعام ملک کے بہترین ادیبوں میں میں شمار ہو گا''۔ (۱۳)

۱۹۴۵۔۴۶ء کے دور میں قیام پاکستان کی تحریک اپنے زوروں پر تھی اور انعام الحق کوثر بھی اس معاملے میں دوسرے نوجوانوں سے پیچھے نہیں تھے۔ وہ قیام پاکستان کے حق میں تقریریں کرتے رہے۔ ۱۹۴۶ء اور ۱۹۴۷ء میں دہلی میں رہ کر انھوں نے تحریک پاکستان میں زور و شور سے حصہ لیا۔ (۱۴) برصغیر کے مسلمانوں میں سیاسی شعور بیدار کرنے میں بلاشبہ سیاسی راہنمائوں کے ساتھ ساتھ تعلیمی اداروں کے اساتذہ کا بھی حصہ رہا۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر لکھتے ہیں :

''ہمارے اساتذہ کرام (جیسے رحمت علی نازش، چودھری غلام محمد علیگ شہید، چودھری ہدایت اللہ علیگ شہید، چودھری غلام غوث علیگ، چودھری علیم اللہ، چودھری شہاب الدین) نے طالب علموں میں حصول پاکستان کے جذبے کو ابھارنے کے لیے بڑی تگ و دو کی تھی۔ ہمارے علاقے سے مسلم لیگ کے نمائندے چودھری ولی محمد گوہیر بھاری اکثریت میں کامیاب ہوئے تھے۔ (۱۵)

جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، ان علاقوں کو پاکستان میں شامل کیا جاتا تو ضلع جالندھر کی تحصیل نکودر کے علاوہ تحصیل جالندھر بھی پاکستان کے پنجاب میں آتی اور اس طرح مسلمانوں کو اپنا آبائی علاقہ چھوڑ کر کہیں نہ جانا پڑتا۔ بہر حال ضلع جالندھر کی تحصیل نکودر سے بھی مسلمانوں کو ہجرت کر کے پاکستان آنا پڑا اور ایسے ہی ایک قافلے میں انعام الحق کوثر اپنے خاندان کے ساتھ عازمِ سفر ہوئے۔ انعام الحق کوثر کے بڑے بھائی پرفیسر انور رومان لکھتے ہیں:

"انعام الحق کوثر طالب علمی کے زمانے سے ہی تحریک پاکستان میں دلچسپی لیتے تھے۔ اینگلو عربک ہائیر سیکنڈری سکول اجمیری گیٹ دہلی سے منسلک ہونے کے بعد مہمیز شوق کو ایک اور تازیانہ لگا کیونکہ مذکورہ سکول اور اینگلو عربک کالج تحریک کے اہم مرکز تھے، اور ان کی انجمن کے صدر نوابزادہ لیاقت علی خان تھے۔ برصغیر کے دیگر مقامات کی طرح دہلی بھی کافی عرصے سے فسادات کی لپیٹ میں تھا لیکن جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے پنجاب اور بنگال کی سراسر غیر منصفانہ تقسیم کا اعلان کیا اور مسلم اکثریتی علاقے بھی بھارت کے حوالے کر دیئے تو ہندوؤں کی پاکستان دشمنی اور آتش انتقام کی آگ کئی گنا بڑھ گئی اور کوثر صاحب کو بھی دیگر بے شمار مسلمانوں کی طرح مہاجر کیمپ پرانا قلعہ میں پناہ لینا پڑی۔ کیمپ کیا تھا بس بے سرو سامانی، بے کسی، بے بسی، بیماری، بھوک، پیاس اور دِن رات منڈلاتے ہوئے خطرات... کوثر صاحب بھی اسی ڈانوں ڈول منظر کا حصہ بنے رہے۔(۱۶)

دہلی سے لاہور تک ہجرت کا یہ سفر جہاں اپنے آبائی علاقے سے دور ہو جانے کا کرب لیے ہوئے تھا، وہاں جگہ جگہ موت کے سائے بھی منڈلاتے دکھائی دیتے تھے اور ایک آزاد وطن میں پہنچنے کی تمنّا بھی دل میں لیے ہوئے تھا۔ ایک انٹرویو میں ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے اس سفر کی یادیں تازہ کرتے ہوئے بتایا:

"دہلی اور لاہور کا فاصلہ ۱۹۴۷ء ستمبر میں طویل (قریباً پچاس گھنٹوں پر مشتمل) ہو چکا، اندھیری رات میں ہماری گاڑی پر تیسرا شدید حملہ ہوا، موت کے پسینے آنے لگے۔ اتنے میں میرے ماموں جان محترم سردار محمد ریاض جو اپنے دفتر میں تحریک پاکستان کے سرگرم رکن تھے اور میں اپنے تعلیمی ادارے میں بھرپور حصہ لیتا تھا اور دونوں مل کر اپنے گرد وپیش میں (محلّے اور احباب وغیرہ میں) بڑے فعال تھے، نے کہا کہ اپنی ممانی جان کے ساتھ کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر سہارا دیئے رہو اور کلمہ طیبہ جاری رکھو... قدرت نے ہمیں نئی زندگی دی اور ہم نے بفضل ربی مثبت کاموں میں اپنی زندگی صرف کرنے کی ٹھانی۔ یہ اُس پاک و برتر ذات کا فضل و کرم ہے کہ اُس نے ہمیں مثبت کام کرنے کا حوصلہ بخشا۔ یہ لمحات ہمیں نئی زندگی کے ساتھ ساتھ نصب العین اور آدرش بھی دے گئے۔ تحریک پاکستان سے متعلق متعدد کتابیں، سینکڑوں مضامین لکھنے اور بے شمار تقاریر کرنے کے

باوجود تحریک پاکستان کے ولولے تابندہ ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی دین ہے۔ مقام شکر ہے کہ مالک حقیقی نے یہ تابندگی نئی نسل کو منتقل کرنے میں کامیابی سے نوازا ہے۔'(۱۷)

ستمبر ۱۹۴۷ء میں انعام الحق کوثر اور ان کا خاندان اپنے آبائی وطن کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کر نئے وجود میں آنے والے اسلامی ملک پاکستان میں آ گیا۔ اس خاندان نے یہاں آکر منٹگمری کے ایک چھوٹے سے قصبے چک نمبر ۱۷۱، اے ایل سردار پور میں اپنی نئی زندگی کا آغاز کیا۔(۱۸) انعام الحق کوثر کے بڑے بھائی انور رومان پہلے سے بلوچستان کے شہر کوئٹہ میں موجود تھے، جہاں ان کی تقرری ۱۹۴۶ء میں موجودہ گورنمنٹ کالج کوئٹہ میں بحیثیت لیکچرار تاریخ ہوئی تھی۔(۱۹) یہ کالج جولائی ۱۹۲۷ء میں بروس روڈ موجودہ جناح روڈ کوئٹہ میں سنڈیمن ہائیر سیکنڈری اسکول کے نام سے قائم ہوا تھا۔ اس اسکول میں درجہ ششم سے بارہویں جماعت تک تعلیم دی جاتی تھی۔ اساتذہ کو کاغذی کارروائی میں سنیئر انگلش ٹیچر کہا جاتا تھا۔ ستمبر ۱۹۴۸ء میں آرٹس کے شعبہ میں تھرڈ ایئر کی کلاسز کا اجراء ہوا اور یہ اسکول صحیح معنوں میں کالج بن گیا۔ اسے گورنمنٹ کالج کوئٹہ کا نام دیا گیا اور اب اسے گورنمنٹ سائنس کالج کوئٹہ کہتے ہیں۔

نئے وطن اور نئی جگہ آکر بھی انعام الحق کا حصول علم اور ادب کا ذوق و شوق کم نہ ہوا۔ ہجرت کے بعد جن مسائل و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان مسائل سے یہ خاندان بھی دوچار ہوا۔ ہجرت کے بعد ایک وقت ایسا بھی آیا، جب انعام الحق کو اس طرح محسوس ہوا، کہ وہ شاید اب اپنی تعلیم کو مکمل نہیں کر سکیں گے، لیکن ان کے باہمت، درویش منش اور دور اندیش والد نے ان کی ڈھارس بندھائی اور انھیں نیا حوصلہ دیا۔ اس حوصلے نے کام کر دکھایا اور انعام الحق نے اس نئے علاقے میں نہ صرف اپنی تعلیم کی طرف دوبارہ توجہ دینا شروع کر دیا، بل کہ ان کے اندر چھپا ہوا ادبی انسان بھی خاموش نہ بیٹھ سکا، اور انھوں نے سردار پور میں بزم ادب قائم کر دی۔ ۲۹ر جنوری ۱۹۵۰ء کو باقاعدہ بزمِ ادب کی بنیاد رکھی گئی۔(۲۰) انعام الحق کو بزم ادب کے پہلے جنرل سیکرٹری کے فرائض سونپے گئے۔ ادبی مجلس کے اغراض و مقاصد میں اُردو زبان کی ترویج و اشاعت، اُردو ادب سے دلچسپی پیدا کرنا، علامہ اقبال کے کلام کا خاص توجہ سے مطالعہ کرنا اور بصیرت افروز کتب و رسائل کے مطالعہ کو فروغ دینا شامل تھا۔ اس چھوٹے سے قصبے میں اُردو زبان کے فروغ کے لیے یہ ایک بہت اہم کوشش تھی۔ بزمِ ادب کے اجلاس میں یہ بھی طے پایا کہ اجلاس کے دوران گفتگو اُردو زبان میں ہوا کرے گی۔ بزم ادب کا کوئی مستقل صدر نہیں چنا گیا، بل کہ ہر ممبر کو اجلاسوں کی صدارت کرنے کا موقع دیا جاتا تھا۔

مخزن کے مدیر حامد علی خان حامد نے اپنے ایک خط میں انعام الحق کو لکھا:

''مجھے یہ پڑھ کر بہت مسرت ہوئی کہ آپ نے چک نمبر ۷ا میں ایک بزمِ ادب قائم کی ہے۔ شہروں اور علمی حلقوں سے اس قدر دور دیہات میں علمی وادبی ذوق پیدا کرنے کی یہ کوشش جہاد کا مرتبہ رکھتی ہے۔(۲۱)

انعام الحق کی کوششوں سے بزم ادب کے باقاعدہ اجلاس منعقد ہوتے رہے۔ ۷ رمئی ۱۹۵۰ء کو بزم ادب کے زیر اہتمام ''یوم اقبال'' منایا گیا۔(۲۲) یہ اجلاس علاقے کا اپنی نوعیت کا پہلا ادبی اجلاس تھا۔ تقریب کے انعقاد سے قبل ملک کے نامور ادیبوں اور دانشوروں کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ اس سلسلے میں حامد علی خان حامد، رحمت علی نازش، انور رومان، ش ضحیٰ اور سید احمد رفیق نے انعام الحق کے نام خطوط لکھ کر یومِ اقبال منانے پر خراج تحسین پیش کیا۔ اجلاس کی خبر ہفت روزہ ''سات رنگ منٹگمری'' میں شائع ہوئی۔ یوم اقبال کی یہ تقریب ڈھائی گھنٹے جاری رہی۔

اس موقع پر انعام الحق کوثر کے تاثرات یوں تھے:

'' علامہ اقبال کے زورِ کلام نے مُردہ اور زنگ خوردہ دِلوں میں رُوحِ جہاد بیدار کی اور مسلمانوں کو طلسم پیچ مقداری سے چھڑا کر ان کو صاف چمکتے ہوئے سورج میں اسٹیج پر لا کھڑا کیا۔ اقبال نے ہمارے پژمردہ دلوں میں یہ یقین محکم پیدا کیا کہ اگر ہم اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کر لیں تو ہمارا مستقبل زیادہ شاندار اور سُہانا ہو سکتا ہے ۔ چنانچہ ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبالؒ نے ایک الگ اسلامی ریاست کے تصور کو ہمارے سامنے پیش کیا اور ہم پر یہ بات بھی عیاں کر دی کہ ہم اس وقت تک کامیابی و کامرانی کا سہرا نہیں پہن سکتے جب تک اس مقصد کو حاصل کر نے کے لیے پوری قوم تیار نہیں ہو گی(۲۳)

رحمت علی نازش نے اپنے خط میں لکھا:

''پروردگار آپ کو کامیابیاں عطا فرمائے ''امروز'' کا کٹ پیس بھیج رہا ہوں۔ اسے اپنے اجلاس میں پڑھ کر سنا دیں ۔ بہت اچھی چیز ہے میں نے آج تک علامہؒ کے کلام پر کچھ لکھنے کی جرات نہیں کی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں، جو علامہ مرحوم کے کلام کو عمدگی سے سمجھتے ہیں(۲۴)

ش ضحیٰ نے اپنے خط میں لکھا:

''مجھے یہ سُن کر بہت مسرت ہوئی کہ آپ کی بزم ''یوم اقبال'' منا رہی ہے۔ اقبال کا نام زبان پر آتے ہی کچھ عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہونے لگتا ہے جیسے جسم کی رگ رگ میں گرم خون بھر گیا ہے۔ زندگی، موت، مشرق، مغرب، غرض یہ ساری کائنات ایک عجیب انداز کے ساتھ جاگ اٹھتی ہے اور انسان یہ

محسوس کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ واقعی سُلطانِ کائنات ہے! آپ کو یاد ہو گا اقبال نے کہا تھا جہاں ہے تیرے لیے، تُو نہیں جہاں کے لیے(۲۵)

پروفیسر آغا صادق نے اس موقع پر ایک نظم بعنوان "یادِ اقبال" اور ایک رباعی بھیجی جو اجلاس میں پڑھ کر سُنائی گئی۔ آپ نے اپنے خط میں لکھا:

"عزیزم انعام الحق زاد اللہ قدرۃ، آپ کی ادبی سرگرمیوں کو میں بنظرِ استحسان دیکھتا ہوں اور اس کی قدر کرتا ہوں، دیہاتی علاقے میں ادبی زندگی کی فضا پیدا کرنا سزاوار تحسین و آفرین ہے۔ خُدا تعالیٰ آپ کی مساعیِ جمیلہ میں برکت دے۔"(۲۶)

اجلاس کے دوران اقبال کے نظریہ خودی اور نظریہ حیات پر روشنی ڈالی گئی۔ اقبال بحیثیت پیغامبر اور معیار مومن پر اقبال کے نظریے کے عنوانات کے تحت مضامین پڑھے گئے۔ کلامِ اقبال بھی پیش کیا گیا۔ ۱۱/ستمبر ۱۹۵۰ء کو قائد اعظم کی وفات پر ایک اجلاس منعقد ہوا، جس میں بزم ادب کے ممبران نے حصہ لیا۔ ۱۵/ستمبر ۱۹۵۰ء کو پاکستان بھر میں یومِ کشمیر منایا گیا۔ بزم ادب سردارپور کے زیرِ اہتمام بھی ایک جلسہ منعقد ہوا، جس میں ادب شناس حضرات نے حصہ لیا۔ اس جلسے کی روائیداد بیان کرتے ہوئے انعام الحق نے لکھا:

"ہمارا یہ جلسہ اس بات کا شاہد ہے کہ ہم ایک لمحہ بھی اس مسئلہ سے غافل نہیں رہے، جو پاکستان کے لیے موت اور زندگی کا مسئلہ ہے۔ قائد اعظم نے فرمایا تھا کہ کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے اور کوئی غیوّر قوم یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتی کہ اس کی شہ رگ دُشمن کے قبضے میں رہے۔"(۲۷)

بزم ادب کے تحت ادبی مجالس کا یہ سلسلہ سال بھر چلتا رہا۔ بزمِ ادب کی پہلی سالگرہ کے موقع پر انعام الحق کوثر نے اپنے خیالات یوں قلم بند کیے:

"بزمِ ادب کا جو پودا اس ناچیز کے ہاتھوں بویا گیا تھا اور جو ایک سال تک شان و شوکت سے پروان چڑھتا رہا ہے۔ آج اُس کی سالگرہ منائی جا رہی ہے۔ اس ایک سال تک میں ممبران کے پورے اعتماد اور اعتبار کے ساتھ اس کی آبیاری کرتا رہا۔ مجھے یہ کہتے ہوئے انتہائی مسرت و طمانیت حاصل ہو رہی ہے کہ میری پیہم کوششیں بارآور ثابت ہوئیں کیونکہ اس وقت ہماری بزم ۲۰ کے قریب بصیرت افروز کُتب، چار معیاری رسائل جاری ہیں۔ یہی نہیں بلکہ دو ممبران ادیب فاضل کی تیاری شروع کر چکے ہیں۔ دو ممبران جنھوں نے ۲۰ سال قبل اپنی تعلیم کو خیر باد کہا دوبارہ بحرِ علم میں غوطہ زن ہیں۔ علاوہ ازیں اس بزم نے سارے علاقہ میں ایک ادبی بیداری پیدا کر دی ہے اور اس کا نتیجہ ہے کہ یہاں سے چند میل کے فاصلے پر ریواز آباد میں حلقہ اخوت قائم ہو چکا

ہے۔میں حالات کے پیشِ نظر کسی اور جگہ جانے کا ارادہ رکھتا ہوں ممکن ہے کہ چند ماہ کے بعد یہاں واپس آ سکوں اور پھر کوئی کام کر سکوں۔ یہ بھی ممکن کہ کوئی نئی جگہ میرا انتظار کر رہی ہو اور قدرت کو مجھے وہاں لے جانا مقصود ہو لیکن بہر حال میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ بزم ادب کے ذریعہ جو روشنی کی مشعل جلائی گئی ہے وہ ہمیشہ دوسروں کی رہنمائی کرتی رہے گی۔'(۲۸)

اس کے بعد انعام الحق کوثرلاہور چلے گئے اور وہاں انھوں نے تعلیم و تعلم اور لکھنے، لکھانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ اُنھوں نے ۱۹۵۱میں بی۔اے(آنرزان پرشین) کیا۔(۲۹)

ستمبر ۱۹۵۱ءمیں "مخزن، الحمرا اور احباب" کے عنوان سے ماہنامہ الحمراء، لاہور میں ان کا ایک مضمون شائع ہوا ۔دسمبر ۱۹۵۱ءمیں "محفل احباب" کے عنوان سے اسی ماہنامہ میں ان کا ایک اور مضمون شائع ہوا۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے بی۔اے کرنے کے بعد ۱۹۵۲ءمیں دیال سنگھ کالج لاہور میں ایم۔اے (فارسی) میں داخلہ لے لیا۔(۳۰) اس دور میں کالج کے پرنسپل سید عابد علی عابد تھے، جو ان کی فارسی کی ایم۔اے کی ایک کلاس لیا کرتے تھے۔ایک تو انعام الحق کوثر کو اللہ تعالیٰ نے تحقیق کی طبیعت سے نوازا تھا اور پھر ان کو اساتذہ میں سید عابد علی عابد، ڈاکٹر محمد باقر، پروفیسر علم الدین سالک، ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ، ڈاکٹر شکور احسن اور ڈاکٹر عبد السلام خورشید جیسے جید علماء کی رہنمائی حاصل ہوئی۔(۳۱)

ڈاکٹر انعام الحق کوثر کے ۱۹۵۲ءمیں تین مضامین شائع ہوئے۔پہلا مضمون ہفت روزہ اقدام، لاہور میں "کیا موجودہ معاشرہ میں رشوت ستانی بند ہو سکتی ہے؟" کے عنوان سے شائع ہوا، دوسرا اور تیسرا مضمون بھی اسی ہفت روزہ میں "قوم کی اصلاح، سیاسی تحریکیں کر سکتی ہیں یا سماجی؟" اور "کیا موجودہ معاشرے میں عصمت فروشی کے بازار بند ہو سکتے ہیں؟" کے عنوانات کے تحت شائع ہوئے۔مضامین لکھنے کا سلسلہ بھی جاری تھا۔بزم ادب کے معاملات کی دیکھ بھال بھی جاری تھی، اور ساتھ ہی ایم۔اے فارسی کی کلاسز بھی لے رہے تھے۔ انھوں نے دیال سنگھ کالج لاہور کے اساتذہ سے خوب فیض اٹھایا۔ابھی ایم۔اے فارسی سال اول میں ہی تھے کہ انھیں سید عابد علی عابد کے مشورے پر "بابا فغانی شیرازی" کے عنوان پر مقالہ لکھنے کا موقع ملا۔پنجاب یونیورسٹی کے شُعبۂ فارسی کے صدر ڈاکٹر پروفیسر محمد باقر کی نگرانی میں انھوں نے مقالے پر کام شروع کر دیا۔(۳۲) اپنے تحقیقی ذوق اور محنت و لگن کی وجہ سے اُنھوں نے نہ صرف بہترین مقالہ لکھا، بل کہ مقالہ نگاری میں یونیورسٹی میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔اس طرح انھوں نے ۱۹۵۴میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم۔اے فارسی بھی درجہ اوّل میں پاس کر لیا۔(۳۳)

ایم۔اے کے مقالے میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بچپن ہی سے لکھنے کا جو شوق پیدا ہوا تھا، وہ ان کی ذہنی اور جسمانی نشو و نما کے ساتھ ساتھ پنپ رہا تھا، چناں چہ ۱۹۵۱ء سے لیکر ۱۹۵۴ء تک، ان کے مختلف اخبارات اور رسائل و جرائد میں مختلف موضوعات پر ۴۷ مضامین شائع ہوئے، گویا ان کی زندگی کا مقصد علم و ادب کا حصول اور ترویج و اشاعت بن گیا۔

۱۹۵۳ء میں ڈاکٹر انعام الحق کوثر کے مختلف موضوعات پر چھبیس مضامین تحریر کیے۔ ۱۵/مئی کو ''مدائن اور خاقانی'' جبکہ ۳۱/مئی کو پانچواں مضمون ''اگر ممکن ہو تو۔۔'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اگست ۱۹۵۳ء میں ماہنامہ معلم، سریاب کوئٹہ میں ان کا مضمون ''بلوچستان میں اردو ادب کا ایک ستون (آغا صادق)'' شائع ہوا۔ ''جدید فارسی نثر'' کے عنوان سے ۳۱/اگست ۱۹۵۳ء کو روزنامہ امروز، لاہور میں ان کا مضمون شائع ہوا، جب کہ ۱۹۵۳ء میں روزنامہ ملّت، لاہور میں ان کے پانچ مضامین شائع ہوئے، جن میں سے پہلا ''غالب کا ایک شعر (مخزن علم و ادب)'' ۱۰/اگست ۱۹۵۳ء کو دوسرا ''بلوچستان کا دل کوئٹہ'' عید الاضحی نمبر ۱۹۵۳ء، تیسرا ''کوئٹہ کا ایک طرحی مشاعرہ'' ۶/اکتوبر ۱۹۵۳ء کو چوتھا، ''دور حاضری کی فارسی شاعری میں عورت'' ۳۰/نومبر ۱۹۵۳ء کو، جب کہ پانچواں ''جدید فارسی شاعری کے رجحانات'' ۷/ستمبر ۱۹۵۳ء کو شائع ہوا۔ ۱۹۵۴ء میں ان کے پندرہ مضامین شائع ہوئے۔ ۱۹۵۴ء ہی میں انھوں نے ایم، اے فارسی کا امتحان پاس کیا، اور اسی سال ایم۔اے کا مقالہ بھی تحریر کیا۔ ایم۔اے فارسی کی کلاسز، امتحانات اور پھر مقالہ پر کام کرنے کے ساتھ ساتھ اسی سال ان کے تحریر کردہ پندرہ مضامین اس حقیقت کے غماز ہیں، کہ انھیں تحقیق، تحریر پر اکساتی رہی اور اس راہ میں نہ تو ان کی تعلیمی مصروفیات رکاوٹ بنیں اور نہ ہی مقالہ تحریر کرنے کی خشک راہ حائل ہوئی، بل کہ ان کا قلم چلتا رہا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے ایم۔اے کا امتحان بھی درجہ اوّل میں پاس کر لیا اور ان کا ایم۔اے کا مقالہ بھی یونیورسٹی بھر میں مقالہ نگاری میں پہلی پوزیشن پر آیا۔(۳۴)

۱۹۵۵ء میں ان کے چار مضامین روزنامہ امروز، لاہور میں شائع ہوئے۔ ۱۹۵۶ء میں اسی روزنامہ میں تین مضامین شائع ہوئے۔ اسی سال ان کی گورنمنٹ کالج کوئٹہ میں فارسی کے لیکچرار کے طور پر تعیناتی ہوئی۔(۳۵) انھوں نے لیکچرار کی حیثیت سے تقرری کے بعد بھی اپنا لکھنے، لکھانے کا شغل جاری رکھا۔ درس و تدریس کے پیشے سے منسلک ہونے کے بعد ان کی فکری و ذہنی صلاحیتوں میں مزید نکھار پیدا ہوا۔ انھوں نے نہ صرف اپنی علمی و ادبی اور تحقیقی سرگرمیوں کو جاری رکھا، بل کہ ایک استاد کی حیثیت سے بھی اپنے فرائض کو بطریق احسن نبھایا۔ ۱۹۵۶ء میں وہ مجلس فارسی گورنمنٹ کالج کوئٹہ کے منتظم اعلی قرار پائے۔(۳۶) ۱۹۷۰ء تک بخوبی

خدمات سر انجام دیتے رہے۔ اسی سال بولان، کوئٹہ میگزین میں بحیثیت ممبر مجلس ادارت مقرر ہوئے۔۱۹۵۷ء میں ان کے دو اُردو اور دو فارسی مقالے شائع ہوئے۔۱۹۵۷ء۔۱۹۵۶ء کے سالنامہ بولان، کوئٹہ میں ان کا فارسی میں ایک مقالہ شائع ہوا۔۱۹۵۸ء میں ایک مقالہ شائع ہوا، میگزین بولان، کوئٹہ کے سالنامہ ۶۰۔۱۹۵۹ء میں ان کا ایک تحقیقی مضمون شائع ہوا۔۱۹۵۹ء میں دو مقالے شائع ہوئے۔

۱۹۶۰ء میں ڈاکٹر انعام الحق کوثر ازدواجی بندھن میں بندھ گئے۔(۳۷) لیکن ازدواجی زندگی کی مصروفیات بھی ان کے علمی و ادبی اور تحقیق و تحریر کے ذوق و شوق کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنیں۔اس سال بھی ان کی تحریروں کا سلسلہ جاری رہا۔ اس سال ان کے پانچ مضامین اُردو میں شائع ہوئے۔اس سال آپ کا ایک فارسی مقالہ بھی شائع ہوا۔۱۹۶۱ء میں ان کے چار اُردو، ایک فارسی اور تین انگریزی مقالہ جات شائع ہوئے۔ان کے یہ تمام مقا لہ جات تحقیقی تھے اور بچپن میں استاد محترم نے ان کے محقق بننے کی، جو پیش گوئی کی تھی، اس کی جانب ان کی پیش قدمی تھی۔۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۱ء تک کے اس سفر میں ان کے اُردو زبان میں ۷۱ مضامین شائع ہوئے۔اس عرصے میں ان کے پانچ تحقیقی مضامین فارسی زبان میں اور تین مضامین انگریزی زبان میں بھی شائع ہوئے۔ گیارہ سال کے عرصے میں ۷۹ تحقیقی مقالہ جات کا شائع ہونا ان کے تحقیقی و علمی ذوق کی نشاندہی کرتا ہے۔یہی ذوق انھیں پی۔ایچ۔ڈی کی جانب لے کر گیا۔اور انھیں پنجاب یونیورسٹی لاہور میں پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر کی نگرانی میں تحقیقی مقالہ لکھنے کی اجازت ملی۔ڈاکٹر صاحب کی نگرانی میں وہ پہلے ہی ایم۔اے کا مقالہ لکھ چکے تھے۔ تحقیق کا شغف چوں کہ پہلے ہی سے تھا، اس لیے راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو سوچے بغیر سندی تحقیقی مقالے پر کام کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

اس دور میں اعلی تعلیم حاصل کرنے کے لیے رخصت نہیں ملتی تھی، چناں چہ غم روزگار کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر انعام الحق کوثر تحقیق کے کار راز میں اتر پڑے۔ ملازمت کوئٹہ میں تھی، اور یونیورسٹی لاہور میں۔ کوئٹہ میں تحقیق کے متعلق مواد کا ملنا ناممکنات میں سے تھا۔ مواد کے لیے لائبریریوں کی چھان پھٹک کے ساتھ ساتھ وقت کی بھی ضرورت تھی۔ان کا معمول لاہور میں اب یہ تھا کہ جب بھی صبح جاتے، لائبریری کے کھلتے ہی اندر داخل ہوتے اور شام کو لائبریری کے بند ہونے پر باہر نکلتے۔اس دوران دوپہر کے کھانے کا وقت گزر جاتا، لیکن انھیں احساس نہیں ہوتا تھا کہ کھانا نہیں کھایا۔ان کے مطالعے کے ذوق اور تحقیق کی جستجو کو دیکھ کر لائبریری کے منتظمین انھیں دو کتابیں، جو انھوں نے تلاش کی ہوتیں، اگلے روز تک مطالعے کے لیے دے دیا کرتے ۔اب ان کتب کے مطالعہ اور ان سے نوٹس کے لیے رات کو دو، دو بجے تک بیٹھے رہتے اور پھر صبح نماز فجر کے

لیے اٹھنے کے بعد یہ ان کتابوں سے نوٹس لیتے اور پھر سارا دن وہی لائبریری، کتابیں مطالعہ اور نوٹس۔ اس طرح انھیں وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ لکھنے لکھانے کا سلسلہ چونکہ کافی عرصے سے جاری تھا، اس لیے زیادہ دقت کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑتا تھا۔

ڈاکٹریٹ کے مقالے کے لیے ڈاکٹر انعام الحق کوثر کا موضوع ''بابا فغانی شیرازی اور ان کے عہد کے شعراء'' تھا۔ کوئٹہ میں پروفیسر انور رومان، سعید احمد رفیق، پروفیسر خلیل صدیقی اور پروفیسر آغا صادق جیسے اساتذہ نے ان کی حوصلہ افزائی کی۔ ۱۹۶۲ء میں وہ ڈاکٹریٹ کے مقالے پر کام کر رہے تھے، لیکن اس وقت بھی ان کا زورِ قلم ٹوٹا نہیں اور تحقیقی و معلوماتی مضامین لکھنے کا شغل جاری رہا۔ ۱۹۶۲ء میں ان کے پانچ اُردو، دو فارسی اور تین انگریزی تحقیقی مضامین شائع ہوئے۔ ۱۹۶۳ء میں انھیں صوبہ بلوچستان کے فارسی زبان و ادب میں پہلے پی۔ایچ۔ڈی ہونے کا اعزاز حاصل ہو گیا۔(۳۸) انھوں نے ڈاکٹریٹ کی باقاعدہ ڈگری کے حصول سے پہلے بھی بے شمار مضامین قلم بند کیے اور ڈگری حاصل کرنے کے بعد بھی اس سلسلے کو جاری و ساری رکھا، بلکہ اب وہ باقاعدہ تحقیقی اور علمی و ادبی کتب کی تصنیف و تالیف کی طرف بھی آ گئے۔

ڈاکٹر انعام الحق کوثر کا پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ انگریزی زبان میں ۱۹۶۳ء میں کراچی سے شائع ہوا۔(۳۹) اسی سال ان کی ''فغانیز لائف اینڈ ورکس'' کے عنوان سے پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی نے انگریزی میں کتاب شائع کی۔ ۱۹۶۳ء میں ان کے دو اُردو، دو فارسی اور ایک انگریزی زبان میں مقالہ شائع ہوا۔ ۶۴۔۱۹۶۳ء میں فیروز سنز، لاہور کے زیر اہتمام شائع ہونے والے انسائیکلوپیڈیا میں ان کے فارسی زبان و ادب پر نوٹس اُردو میں شائع ہوئے۔ ۱۹۶۴ء میں ان کا پروفیسر انور رومان کی کتاب کا اُردو ترجمہ ''کوئٹہ قلات کے براہوئی'' کے عنوان سے ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور سے شائع ہوا۔ ۱۹۶۴ء میں ان کے تین اُردو، دو فارسی اور ایک انگریزی میں مضمون شائع ہوا۔ ۱۹۶۵ء میں دو اُردو، ایک فارسی اور ایک انگریزی تحقیقی مقالہ شائع ہوا۔ اگلے سال ۱۹۶۶ء میں ان کے چار اُردو اور دو فارسی مقالہ جات شائع ہوئے، جب کہ ۱۹۶۷ء میں تین اُردو اور دو فارسی زبان میں مقالے شائع ہوئے۔ ۱۹۶۸ء میں ان کی دو کتابیں شائع ہوئیں۔ ان میں سے ایک کتاب ''بلوچستان میں فارسی شاعری'' کے نام سے بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ نے شائع کی، جب کہ دوسری کتاب ''بلوچستان میں اُردو'' کے عنوان سے اُردو مرکزی بورڈ، لاہور نے شائع کی۔ ان کی اس کتاب کے دو ایڈیشن بعد میں ۱۹۸۶ء اور ۱۹۹۴ء میں مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد نے شائع کروائے۔ موخر الذکر کتاب یونیورسٹی آف بلوچستان، کوئٹہ کے ایم ۔اے اُردو کے نصاب میں بھی شامل ہے اور بلوچستان میں اُردو زبان و ادب پر کی جانے والی تحقیق میں ایک

بنیادی حوالے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔۱۹۶۸ء میں رائیٹرز گلڈ کی جانب سے ان کی اس کتاب کو انعام ملا۔
۵۳؎ ان دو تحقیقی تصانیف کے علاوہ اس سال ان کے چار اردو اور ایک فارسی میں تحقیقی مقالہ شائع ہوا۔
ڈاکٹر انعام الحق کوثر کا لکھنے لکھانے کا سلسلہ جاری رہا، چنانچہ ۱۹۶۹ء میں ان کے تین اُردو ایک فارسی اور دو انگریزی تحقیقی مقالے شائع ہوئے، اور ۱۹۷۰ء میں ایک اُردو اور دو انگریزی مقالے شائع ہوئے۔ مارچ ۱۹۷۰ء میں اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے ترقی پائی۔(۴۰) مارچ ۱۹۷۰ء میں وہ گورنمنٹ کالج مستونگ میں پرنسپل بن کر تشریف لے گئے اور ۲۵/اگست ۱۹۷۲ء تک اس کالج میں پرنسپل کے طور پر فرائض سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ تحقیق اور تحریر کا سلسلہ جاری رکھا۔ گورنمنٹ کالج مستونگ میں اپنی پرنسپل شپ کے دور میں اپنے ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۲ء تک کے قیام کے دوران وہ گورنمنٹ کالج کی آرٹس سوسائٹی کے منتظم اعلی بھی رہے۔ آرٹس سوسائٹی کے منتظم ہونا، ان کے علمی و ادبی ذوق کا نتیجہ تھا۔ ورنہ پرنسپل شپ کے ساتھ عام طور پر ایسی سوسائٹیوں کا منتظم اعلیٰ ہونا دشوار ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے اس دور میں نہ صرف کالج کے تدریسی و انتظامی امور کو بہتر بنایا، بل کہ آرٹس سوسائٹی کے منتظم اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے طلبہ میں علمی اور ادبی شعور اجاگر کر نے میں بھرپور کردار سرانجام دیا اور اُردو تحریر و تقریر میں طلبہ کی دلچسپی کا سامان پیدا کیا۔ وہ اپنی بہترین عادات واخلاق کے باعث نہ صرف طلبہ میں بے حد مقبول تھے، بل کہ ماتحت اساتذہ بھی انھیں بہت پسند کرتے تھے۔
۱۹۷۱ء میں کالج کی پرنسپل شپ کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ لکھنے لکھانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس سال ۱۹۷۱ء میں بلوچستان میں فارسی شاعری کے بارے میں تحقیق کا کام سرانجام دیا۔ ”شعرائے فارسی گوئی بلوچستان“ ڈاکٹر انعام الحق کوثر کے اسی شوق تحقیق کا منہ بولتا ثبوت ہے، جو نیشنل پبلشنگ ہاوس لمیٹیڈ کراچی لاہور سے فارسی زبان میں شائع ہوئی۔ اسی سال انھوں نے اپنے ایرانی دوستوں کے ساتھ مل کر پاکستان میں فارسی زبان وادب کے بارے میں تحقیقی فریضہ سرانجام دیا۔ انجمن دوستی ایران و پاکستان نے اردو زبان میں ”فارسی در پاکستان“ شائع کی، جس میں شریک مصنف کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ اسی سال بزم اقبال کے نام سے اُردو زبان میں شائع ہونے والے ”ایران نامہ“ میں بھی شریک مصنف کی حیثیت سے مدد کی۔ اسی سال ہلال، کراچی میں ان کے دو فارسی مقالے شائع ہوئے۔ بلوچستان اور پاکستان میں فارسی زبان و ادب کے بارے میں تحقیق بلاشبہ ایک مشکل کام تھا، لیکن ڈاکٹر کوثر نے اپنی مشکل پسندی کو بروئے کار لاتے ہوئے یہ تحقیقی کام سرانجام دیا۔ دراصل تحقیقکرنا اور اسے دوسروں تک پہنچانا ڈاکٹر انعام الحق کوثر کا اہم مشن رہا ہے۔ ۱۹۷۲ء میں بھی ہر سال کی طرح انھوں نے تحقیق و تحریر کا کام جاری رکھا۔ ۷۳-۱۹۷۲ء میں مستونگ سے فارسی میں ”فہرست نسخہ ہائے خطی

بلوچستان" کے عنوان سے، جب کہ اُردو زبان میں "فہرست کتاب ہائے چاپی فارسی در بلوچستان" کے عنوان سے مرکز برائے تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، راولپنڈی، اسلام آباد، مستونگ سے شائع ہوئی۔
۲۶ر اگست ۱۹۷۲ء کو ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے گورنمنٹ کالج لورالائی کے پرنسپل کی حیثیت سے کالج کا انتظام سنبھالا۔ یہاں بھی انھوں نے بزم ادب کے منتظم اعلیٰ کی حیثیت سے اُردو زبان کے فروغ کا کام اپنے ہاتھوں میں لیا، اور ۱۹۷۹ء میں لورالائی سے سبی تبادلے تک اس کام کو بخیر و خوبی نہایت جوش و خروش سے سرانجام دیتے رہے۔ ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۹ء تک کے اپنے لورالائی کے قیام کے دوران وہ "رگ سنگ"، لورالائی کے منتظم اعلیٰ بھی رہے، اور اس پلیٹ فارم سے بھی زبان و ادب کے فروغ کے لیے کام کرتے رہے۔ سال ۱۹۷۳ء میں ادارہ فروغ ادب فارسی، لاہور کے زیر اہتمام فارسی زبان میں" ارمغان کوثر" کے عنوان سے ان کے مقالات کا مجموعہ شائع ہوا۔ اسی سال ان کے تحقیقی کارنامے "دیوان ملا محمد حسن براہوئی" کا اُردو مقدمہ شائع کیا، جب کہ اکتوبر میں ایک تحقیقی مقالہ انگریزی زبان میں شائع ہوا۔ ۱۹۷۴ء میں ان کا ایک عالمانہ تحقیقی مقالہ شائع ہوا۔ ۱۱ر اگست ۱۹۷۴ء کو آپ نے ڈیپوٹیشن پر بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ میں ایسوسی ایٹ پروفیسر کے طور پر جوائننگ دی اور ۲۶ر اکتوبر ۱۹۷۴ء تک بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ میں خدمات سرانجام دینے کے بعد ۲۷ر اکتوبر ۱۹۷۴ء کو دوبارہ گورنمنٹ ڈگری کالج لورالائی میں پرنسپل کی حیثیت سے واپس چلے گئے اور وہاں دوبارہ علم و ادب کی شمعیں روشن کر دیں۔ محمد انور، سابق ناظم تعلیمات سکولز، بلوچستان لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب جب گورنمنٹ کالج لورالائی کے پرنسپل بنا کر بھیجے گئے تو یہ ان کے لیے ایک کڑی آزمائش تھی۔ کالج کا تدریسی عملہ ناتجربہ کار تھا۔ ان میں ہم آہنگی کی کمی تھی۔ طالب علم بے مہار اور کالج ضروریات کی اکثر اشیاء کے لیے ترس رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے سب سے پہلے تو اساتذہ کرام کو ایک واضح مقصد دیا اور وہ مقصد تھا علاقے کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنا۔ اس کے بعد طلبہ اور اساتذہ کے درمیان ہم مقصدیت پیدا کرنے کے لیے انھوں نے بے شمار ہم نصابی سرگرمیاں شروع کیں جن میں طلبہ اور اساتذہ کرام مل کر حصہ لیتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد طلبہ اور اساتذہ میں باہمی احترام و محبت کی فضا قائم ہو گئی اور وہی کالج جو انتظامی لحاظ سے ایک مشکل ادارہ سمجھا جاتا تھا۔ ایک عمدہ کالج میں تبدیل ہو گیا۔ جہاں طلبہ میں حصول تعلیم کے لیے لگن اور اساتذہ میں تدریس کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ادارہ میں اکثر ادبی محفلیں جمنے لگیں تقریری مقابلے ہونے لگے اور کھیل کے میدان آباد ہو گئے۔ آئے دن کے ہنگاموں کی بجائے درس و تدریس کا غلغلہ رہنے لگا)" (۴۱)

۱۹۷۵ء میں بھی ڈاکٹر انعام الحق کوثر کا قیام لورالائی ہی میں رہا، اور یہاں کالج کے پرنسپل کے فرائض کے ساتھ ساتھ بزم ادب گورنمنٹ کالج کے سرپرست اعلیٰ بھی رہے اور ساتھ ہی رگ سنگ لورالائی کے منتظم اعلیٰ کی حیثیت سے ادب کی خدمت میں مصروف رہے۔۱۹۵۷ء میں وہ بزم فن و ادب، لورلائی کے صدر مقرر ہوئے اور ۱۹۷۹ء تک انھوں نے صدارت کے ساتھ ساتھ عملی طور پر فن و ادب کی خدمات سرانجام دیں۔۱۹۷۵ء میں وہ ملک بھر میں ہونے والی کانفرنسوں اور سیمینارز میں شرکت کے لیے مختلف شہروں لاہور، راولپنڈی، اسلام آباد، حیدر آباد اور سرگودھا کے دوروں پر رہے۔۱۹۷۶ء میں ان کا تحقیقی سفر جاری رہا۔ اس سال ان کی دو اہم کاوشیں منظر عام پر آئیں۔ "گلیمپسز آف پرشین پوئیٹری" سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور کے زیر اہتمام انگریزی میں شائع ہوئی، جب کہ دوسرا تحقیقی کارنامہ "تذکرہ صوفیائے بلوچستان" اُردو مرکزی بورڈ، لاہور نے شائع کیا۔ اسی سال مجلس ترقی ادب، لاہور نے ان کی تحقیقی کاوش "کلیات محمد حسن براہوئی" کو شائع کیا۔ اسی سال "جوئے کوثر" بابر اسٹیشنری مارٹ، کوئٹہ سے شائع ہوئی۔ جنوری ۱۹۷۶ء میں پندرہ روزہ صدائے بلوچ، کراچی میں "بلوچ فارسی گو شعرائ" کے عنوان سے ایک تحقیقی مضمون شائع ہوا۔ ۱۳/ اکتوبر کو روزنامہ مشرق، کوئٹہ میں "وادی بولان کے فارسی شاعر، حنفی" کے عنوان سے ایک تحقیقی مقالہ شائع ہوا۔ اسی سال سروش، اسلام آباد میں "تاریخ و فرہنگ مردم بلوچستان" کے عنوان سے ان کے دو مقالے شائع ہوئے۔۱۹۷۶ء میں Jounral of Pakistan Histrical Society, Karachi میں Glimpses of Quaid-e-Azam,s two visits of Balochistan

کے عنوان سے ایک مقالہ شائع ہوا۔

۱۹۷۶ء میں ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی تحقیقی تصانیف و تالیفات اور تحقیقی مقالہ جات کے ساتھ ساتھ ملک بھر میں ہونے والی کانفرنسوں میں شرکت کی مصروفیات جاری رہیں۔ درس و تدریس اور کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے تحقیق اور تحریر کا کام جاری رکھا اور ملک بھر میں ہونے والی کانفرنسوں اور سیمینارز میں بھی بلوچستان جیسے دور دراز کے صوبے سے شرکت کے لیے عازم سفر رہے۔۱۹۷۶ء میں بین الاقوامی ادبا کی ڈائیری مطبوعہ انگلینڈ اور یو ایس اے میں ان کا نام شامل کیا گیا۔(۴۲) سال ۱۹۷۷ء میں وزارت اطلاعات حکومت پاکستان، اسلام آباد نے آپ کی تحقیق "تحریک پاکستان میں بلوچستان کا حصہ" کو شائع کیا۔ اس سال ان کے سات اُردو تحقیقی مقالہ جات مختلف اخبارات اور رسائل و جرائد میں شائع ہوئے۔۱۹۷۸ء میں اصغر اسٹیشنرز اینڈ بک سیلرز، کوئٹہ نے ان کا علامہ اقبال پر تحقیقی و فکری مضامین کا

مجموعہ ”مردِ حر“ کے نام سے شائع کیا۔ جب کہ مجلس ترقی ادب، لاہور کے زیر اہتمام ”مکاتیب یوسف عزیز مگسی“ شائع ہوئے۔ ۱۹۷۸ء میں ان کے گیارہ تحقیقی مقالہ جات اُردو میں اور ایک مقالہ فارسی میں شائع ہوا۔ اس سال بھی تحقیق و تحریر کے ساتھ ساتھ کانفرنسوں میں شرکت کے لیے سفر پر نکلنا پڑا۔ ۱۹۷۸ء میں ”جوئے کوثر“ پر انھیں انعام سے بھی نوازا گیا۔ اسی سال انجمن ترقی اُردو لاہور کی طرف سے اُردو ادب کی ترویج و اشاعت اور فروغ کے سلسلے میں ان کی خدمت کے اعتراف میں خصوصی سند عطا کی گئی۔ ۱۹۷۹ء میں ان کے دو اُردو اور ایک فارسی مقالہ شائع ہوا۔ اس سال انھیں ان کی دو کتابوں ”نیکی کی کلیاں“ اور ”مردِ حر“ پر انعامات بھی ملے۔ ۵/ نومبر ۱۹۷۹ء کو ڈاکٹر انعام الحق کوثر کا تبادلہ گورنمنٹ ڈگری کالج لورالائی سے گورنمنٹ ڈگری کالج سبی میں ہو گیا۔ یہاں بھی کالج کی انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ علمی و ادبی سرگرمیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ گورنمنٹ ڈگری کالج سبی کی بزم ادب کے منتظم اعلیٰ کی نہ صرف ذمہ داری اپنے کندھوں پر لی، بل کہ عملی طور پر زبان و ادب کے لیے کوشاں رہے۔ ۱۹۸۰ء میں وزارت اطلاعات، اسلام آباد نے ان کی تحقیقی کاوش ”پاکستان مومنٹ ان پاکستان“ کو کتابی شکل دی۔ اس سال بھی درس و تدریس، کالج کی انتظامی سرگرمیوں، تحقیق اور تحریر کے ساتھ ساتھ انھوں نے ملک میں ہونے والی اہم کانفرنسوں میں شرکت کی۔ ۱۳ سے ۱۶/ ستمبر ۱۹۸۰ء کو انٹر میڈیٹ کے نصاب سازی کے لیے وزارت تعلیم (کریکلم ونگ) حکومت پاکستان کے زیر اہتمام ایبٹ آباد میں اہم دانشوروں اور ماہرین تعلیم کی ایک میٹنگ منعقد ہوئی، جس میں انھوں نے شرکت کی۔ انھوں نے بلوچستان بورڈ آف انٹر میڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن کوئٹہ کے چیئرمین کی ذمہ داریاں ۲۵/ ستمبر ۱۹۸۰ء کو سنبھالیں۔ (۴۳) ۱۳/ اگست ۱۹۵۶ء کو لیکچرار کی حیثیت سے درس و تدریس میں آنے کے چوبیس سال بعد انھیں بلوچستان بورڈ آف انٹر میڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن، کوئٹہ کے چیئرمین کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع ملا۔ بلاشبہ یہ ان کی ان بہترین انتظامی صلاحیتوں کا اعتراف تھا، جو انھوں نے اپنے تدریسی دور میں مختلف کالجز کے پرنسپل کی حیثیت سے دکھائیں۔ وہ ایک استاد کی حیثیت سے بھی ہمیشہ اپنے پیشے سے مخلص رہے، انتظامی ذمہ داریوں کے حوالے سے بھی کوئی کوتاہی نہیں برتی اور ان مصروفیات ساتھ ساتھ تحقیقی کاموں میں بھی مصروف رہے۔ ان میں سے کسی ذمہ داری میں انھوں نے ذرا بھر سستی کا مظاہرہ نہیں برتا اور ان کاموں کو اپنے اپنے خانوں میں رکھ کر مصروف عمل رہے۔ گھر کی ذمہ داریاں اور دینی فرائض ان کے علاوہ تھے، جو کبھی متاثر نہیں ہوئے۔ بورڈ کے چیئرمین کی حیثیت سے انھوں نے اپنی انتظامی اور سربراہی ذمہ داریوں کو بخوبی نبھایا۔ بورڈ میں انتظامی اور سربراہی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ زبان و ادب کے فروغ کے لیے بھی ذرا بھر پیچھے نہیں ہٹے۔

پروفیسر فضل حق میر، سابق چیئرمین بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ کوئٹہ اس بارے میں کہتے ہیں:

"مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب وہ بلوچستان انٹر میڈیٹ بورڈ کے چیئرمین تھے، وہ اپنے انتظامی امور کی سرانجام دہی کے علاوہ غیر نصابی سرگرمیوں پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔ بلوچستان کے طلبہ کے اندر علم کی تلاش اور جستجو پیدا کرنے کے لیے جتنے بھی ذرائع میسر آسکے ڈاکٹر صاحب نے ان کا بھرپور استعمال کیا۔ سائنسی نمائش، تقریری اور تحریری مقابلے، حسن قرآت اور حسن نعت کی مجالس کا اہتمام بڑی باقاعدگی سے ڈاکٹر صاحب کیا کرتے تھے۔ ان غیر نصابی سرگرمیوں کے اندر سرزمین پاکستان اور اس کی اعلیٰ اقدار کی محبت کی روح رچی بسی ہوئی تھی"۔(۴۴)

ڈاکٹر انعام الحق کوثر ۱۹۸۰ء میں قومی سیرت کمیٹی، اسلام آباد کے ممبر مقرر ہوئے اور پانچ سال کے عرصے تک ممبر کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ۶۲ء ۱۹۸۱ء میں ان کی کتاب "تحریک پاکستان میں بلوچستان کا حصہ" کا پشتو ترجمہ وزارت اطلاعات، حکومت پاکستان، اسلام آباد نے شائع کروایا۔ متعدد تحقیقی مقالہ جات شائع ہوئے۔ ۱۹۸۱ء میں بھی انھوں نے مختلف کانفرنسوں میں شرکت کی۔ ۱۹۸۱ء میں "تحریک پاکستان میں بلوچستان کا حصہ" کا پشتو ترجمہ وزارت اطلاعات، حکومت پاکستان نے شائع کروایا تھا، جب کہ ۱۹۸۲ء میں آپ کی اس کتاب کا بلوچی ترجمہ اسی وزارت کے تحت شائع ہوا۔ اپریل تا جون ۱۹۸۱ء کے درمیان کوئٹہ ریڈیو سے ان کی چھ تقریریں بلوچستان میں اردو' فارسی' بلوچی' براہوئی' اور پشتو کی نعتیہ شاعری پر نشر ہوئیں۔ ۱۹۸۲ء میں ان کے اردو، فارسی اور انگریزی مقالہ جات شائع ہوئے۔ ۱۹۸۳ء میں مشرق لاہور، مکتبہ عالیہ، لاہور نے ان کی تحقیقی کاوش "تحریک پاکستان بلوچستان میں" شائع کی۔ اسی سال اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور نے "نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک بلوچستان میں" کے عنوان سے ایک تحقیقی کتاب شائع کی۔ ۸۵۔۱۹۸۴ء میں پاکستان بھر کے بورڈ آف انٹر میڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن کی انٹر بورڈ کمیٹی کے چیئرمین رہے۔ ۱۹۸۴ء میں ان کی تصنیف "نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک بلوچستان میں" پر انھیں صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اسی سال انھیں جشن سبی اور جشن بولان کوئٹہ میں محکمہ تعلیم حکومت بلوچستان کے زیر انتظام اسٹالوں کے منتظم اعلیٰ کی ذمہ داریاں بھی دی گئیں، جو انھوں نے بہترین انتظامی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے احسن طریقے سے نبھائیں۔ اسی سال اسلام آباد میں ہونے والی بین الاقوامی نمائش کتب سیرت میں صوبائی معاون کی حیثیت سے شریک ہوئے۔

۱۴ فروری ۱۹۸۵ء کو ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے نظامت تعلیمات ادارہ نصابیات و مرکز توسیع، کوئٹہ کے دوسرے ڈائریکٹر کے طور پر ذمہ داریوں کو سنبھالا۔(۴۵) اس ادارے کے پہلے ڈائریکٹر ان کے بڑے بھائی

پروفیسر انور رومان تھے۔ بلوچستان میں پہلے تعلیمی اداروں کا نظم و نسق پولیٹیکل ایجنٹوں کے سپرد ہوتا تھا۔ ان پولیٹیکل ایجنٹوں کو اساتذہ کی بھرتی، تبدیلی اور ترقی کے تمام اختیارات حاصل ہوا کرتے تھے۔ تعلیمی اداروں کے معائنے کے لیے پنجاب سے انسپکٹر آف اسکولز کی خدمات مستعار لی جاتی تھیں۔ ۱۹۰۳ء میں بلوچستان اور صوبہ سرحد کے لیے ایک انسپکٹر جنرل آف اسکول مقرر کیا گیا جس کے پرسنل اسسٹنٹ کا دفتر کوئٹہ میں ہوا کرتا تھا۔ ۱۹۱۴ء میں پرسنل اسسٹنٹ کے عہدے کو سپرنٹنڈنٹ آف ایجوکیشن کے عہدے میں تبدیل کر دیا گیا ۔۱۹۵۶ء میں اس عہدے کو ڈائریکٹر آف ایجوکیشن کے عہدے میں تبدیل کر دیا گیا۔ ۱۹۵۶ء سے ۱۹۷۶ء تک اسکولز اور کالجز کے ایک ہی ڈائریکٹر ہوا کرتے تھے۔ ۱۹۷۶ء میں تین نظامتیں، نظامت تعلیمات کالجز، نظامت تعلیمات اسکولز اور نظامت تعلیمات ادارہ نصابیات و مرکز توسیع قائم کی گئیں۔ نظامت تعلیمات ادارہ نصابیات و مرکز توسیع کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے انھوں نے انتظامی امور کے ساتھ ساتھ سائنسی نمائشیں کروائیں اور کالج اساتذہ کو بیرون ملک تربیت کے لیے بھجوانے میں اہم کردار سرانجام دیا۔

پروفیسر محمد اقبال قاضی لکھتے ہیں:

''مجھے ڈاکٹر صاحب کا چیئرمین نصابیات کا زمانہ کبھی نہیں بھولے گا۔ ڈاکٹر صاحب کا تعلق اگرچہ آرٹس / ادب سے تھا، تاہم آپ نے اپنے چیئرمین شپ کے زمانے میں ہر جگہ نہایت مشکلات کے باوجود کامیاب ترین سائنسی نمائش منعقد کروائیں۔ سائنسی نمائش کا نظریہ اگرچہ ہمیں پنجاب تعلیمی بورڈ اور اسلام آباد سے ملا تھا، تاہم بعد میں پنجاب اور اسلام آباد میں یہ نمائش جاری نہ رہ سکیں اور ڈاکٹر صاحب نے اپنے دور میں بلوچستان بھر میں نہایت شاندار اور تاریخی سائنسی نمائش کرائیں۔ میرے ناقص خیال کے مطابق ڈاکٹر صاحب کے بعد بلوچستان میں کسی نے بھی آج تک سائنسی نمائش کا اہتمام نہیں کرایا۔ نصابیات سے متعلق ہونے کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنے دور میں برٹش کونسل کے تعاون سے کالج میں اساتذہ کی بیرون ملک تربیت کا انتظام کرایا اور کئی ایک اساتذہ باہر سے ٹریننگ حاصل کر کے بلوچستان میں خدمات سرانجام دیتے رہے۔'(۴۶)

۱۹۸۵ء میں مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد نے ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی تصنیف ''بلوچستان میں نفاذ اردو'' کو شائع کیا۔ ۷/ جنوری ۱۹۸۵ء کو اسلام آباد میں ان کی کتاب ''نبی کریمؐ کا ذکر مبارک بلوچستان میں'' کی تقریب رونمائی ہوئی۔ ۱۹۸۶ء میں ''بلوچستان میں اردو کی قدیم دفتری دستاویزات'' کے عنوان سے ان کی تحقیقی کاوش کو مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد نے شائع کیا۔ اسی سال بلوچی سے اردو تراجم (توضیحی کتابیات) مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد نے شائع کی۔ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد سے شائع ہونے والی ''قومی زبان کی ترقی میں صوبوں کا حصہ''

میں بھی انھوں نے شریک مصنف کی حیثیت سے کام کیا۔ اس سال ادارہ نصابیات و مرکز توسیع تعلیم بلوچستان، کوئٹہ نے "منتخب نعتیہ کلام" کو شائع کیا جس میں انھوں نے شریک موئف کی حیثیت سے اپنا حصہ ملایا

ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے ۱۹۵۲ء میں بزم ادب سردار پور کی کاروائی لکھتے ہوئے کہا تھا کہ نہ جانے کون سی جگہ ان کا انتظار کر رہی ہے، شاید ان کے خواب وخیال میں بھی نہیں تھا کہ بلوچستان کی سرزمین ان کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے، لیکن جب وہ بلوچستان میں آ گئے، تو انھوں نے اس زمین کا حق اس طرح ادا کیا کہ اپنی تحقیق و تخلیق کا محور اس خطے کو بنالیا اور اب صورت یہ ہے کہ جب بھی بلوچستان میں علم و ادب، بلوچستان میں اردو، بلوچستان میں تحریک پاکستان، بلوچستان میں علامہ اقبال، بلوچستان میں بانی پاکستان، بلوچستان میں سیرت رسولؐ اور بلوچستان میں نونہالوں کا ادب، صحافت وغیرہ کی بات ہو گی، تو وہاں ڈاکٹر انعام الحق کوثر اور ان کی تصانیف و تالیفات کی بات بھی ضرور ہو گی۔ پروفیسر فضل حق میر لکھتے ہیں:

"بلوچستان کے حوالے سے ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی شخصیت ایک مستند محقق کی حیثیت سے اب نہ صرف قومی بلکہ عالمی سطح پر تسلیم کی جا چکی ہے۔ انھوں نے سماجی اعتبار سے بلوچستان میں کوئی ایسا شعبہ نہیں چھوڑا جس پر محنت بلکہ خاصی جانفشانی سے تحقیق نہ کی ہو۔ ان شعبوں میں تحریک پاکستان، بلوچستان میں دینی اور روحانی اثرات، بلوچستانکی تاریخ، بلوچستان کی صحافت، ادب اور بلوچستان کی اہم شخصیات کے اعتبار سے ان کی تحقیق بلوچستان کے سماج اور تاریخ کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے بعض شعبوں میں اپنی ہی تحقیق کو اپ ٹو ڈیٹ کرنے کے لیے دوبارہ بھی کام کیا۔ شاید اس کی ضرورت اس لیے بھی تھی کہ بعض شعبوں سے متعلق انھوں نے پچاس برس پہلے جو کام کیا تھا اسے بعد کے پچاس برسوں تک پورا کرنا تھا۔۔۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی شخصیت اس اعتبار سے اہل علم و دانش کے لیے ایک محسن کی حیثیت بھی رکھتی ہے کہ انھوں نے علم و تحقیق کے شعبے میں ایسا بنیادی کام کر دیا ہے جو نئے لکھنے والوں اور مستقبل کے لکھنے والوں کے لیے ضروری قرار پا چکا ہے۔ اس وقت ان کے تحقیقی کام کی حقیقت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بلوچستان سے متعلق کسی بھی شعبے میں اگر کوئی اسکالر ایم فل یا پی ایچ ڈی کی ڈگری لینا چاہتا ہے تو وہ ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی تحقیقی کتابوں کو نظر انداز کیے بغیر اپنا تحقیقی کام نہیں کر سکتا۔'(۴۷)

۱۹۸۷ء میں بھی ڈاکٹر انعام الحق کوثر کا زور قلم چلتا رہا۔ اس سال ان کا تحقیقی کام "علامہ اقبال اور بلوچستان" کے عنوان سے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد نے شائع کیا۔ اسی سال مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد نے مرزا غالب (توضیحی کتابیات) شائع کی۔ ان کی کتاب "تعلیمی مثلیں" ادارہ نصابیات و مرکز توسیع، کوئٹہ سے

شائع ہوئی۔ اس سال بھی ان کے تحقیقی مقالے مختلف اخبارات اور رسائل و جرائد میں شائع ہوئے۔ گلڈ آف اولڈ سکاؤٹس اسلام آباد کے زیر اہتمام ۴؍ فروری ۱۹۸۷ء کو ان کی پچیس کتابوں کی اشاعت مکمل ہونے پر "ڈاکٹر انعام الحق کوثر کے ساتھ ایک شام" منائی گئی۔ ۱۹۸۸ء میں "اقبالیات کے چند خوشے" قریشی پبلی کیشنز ،کوئٹہ نے شائع کی۔ ۱۹۸۸ء میں ہی صدیقی ٹرسٹ، کراچی نے ان کی کتاب "ملی تعلیم میں تعلیم کا کردار" شائع کی۔ اسی سال یونائیٹڈ پرنٹرز، کوئٹہ نے ان کی کتاب "تاریخ نامہ ہرات" شائع کی گزشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی انھوں نے مختلف کانفرنسوں اور سیمینارز میں شرکت کی۔

ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا جاے تو واضح ہو جاتا ہے کہ ان کے ہاتھوں میں کتاب، قلم اور سفری ٹکٹ رہے ہیں۔ مطالعہ، تحقیق اور اس مطالعہ و تحقیق کو تحریر میں لانا اور ساتھ ہی علمی و ادبی کانفرنسوں میں شرکت کے لیے زاد راہ تیار کھناڈاکٹر کوثر کی زندگی کا نصب العین دکھائی دیتا ہے۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے کتاب، قلم اور سفری ٹکٹ ہاتھ میں رکھنے کے ساتھ ساتھ درس و تدریس اور انتظامی ذمہ داریوں کے امور کو بھی خوب نبھایا اور ساتھ ہی اپنی گھریلو زندگی اور مذہبی معاملات سے بھی غافل نہیں رہے۔ وہ بلاشبہ ایک کامیاب محقق ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین استاد، بہترین منتظم، بہترین اولاد، بہترین باپ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین انسان، ایک بہترین مسلمان اور بہترین پاکستانی بھی دکھائی دیتے ہیں۔

۱۹۸۹ء میں بزم اقبال لاہور نے ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی "اقبال شناسی اور بلوچستان کے کالج میگزین" کی جلد اول اور جلد دوم شائع کیں۔ ۱۹۸۹ء میں بھی انھوں نے کانفرنسوں اور سیمینارز میں شرکت کی اور اپنے مقالے پیش کیے۔ ۱۹۹۰ء میں سعد پبلی کیشنز، کوئٹہ نے ان کی کتاب "قرداد پاکستان، صحافتی محاذ پر" شائع کی۔ بزم اقبال ،لاہور نے ان کی کتاب "اقبال شناسی اور ادبائے بلوچستان کی تخلیقات" کی جلد اول شائع کی۔ مقتدرہ قومی زبان ،اسلام آباد نے "ثانوی و اعلیٰ ثانوی تعلیمی بورڈ اور بلوچستان میں اردو کی پیش رفت" شائع کی۔ سیرت اکادمی بلوچستان نے "احترام بچہ" شائع کی۔ انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد سے شائع ہونے والے "مجلہ تعلیم" میں شریک مصنف کے طور پر کا کیا۔ اسی طرح قومی ادارہ برائے تحقیق و ثقافت، اسلام آباد کی شائع کردہ "پاکستان ریزرویشن ریوائیزڈ" میں بھی شریک مصنف کے طور پر کام کیا۔ ۱۹۹۱ء میں مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد نے ان کی تحقیقی کتاب "بلوچستان میں بولی جانے والی زبانوں کا تقابلی مطالعہ" شائع کی۔ یکم اپریل ۱۹۹۱ء کو وہ ملازمت کی بھرپور زندگی گزارنے کے بعد ڈاکٹر انعام الحق کوثر ریٹائر ہو گئے۔ (۴۸)

بقول شاہدہ بخاری:

"وہ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھے۔جن کی روح محنت اور جذبہ خدمت خلق سے سرشار ہو وہ تازیست سرگرم عمل رہتے ہیں۔وہ آج تادم تحریر محکمہ تعلیم میں " بہبود سکیم " سے منسلک ہیں۔ڈائریکٹریٹمیں باقاعدہ ان کا آفس ہے اور وہ کمربستہ ہو کر خدمت خلق پر معمور ہیں۔ان کا قول ہے 'اس بہبود سکیم سے کئی بجھے ہوئے چولہے روشن ہوئے ہیںاوراس سکیم کے تحت کئی بیوہ، یتیم اور بے سہارا بچے پرورش پارہے ہیں'۔اس کے ساتھ ساتھ چودہ سال ریٹائرمنٹ کے بعد وہ آج بھی تحقیقی اور تخلیقی عمل میں اس لگن جوش اور ولولے سے سرگرم ہیں۔ان کی زندگی درس عمل اور درس خدمت خلق کی اک لازوال داستان ہے۔میں ان کو سلام پیش کرتی ہوں۔'(۴۹)

۱۹۹۱ء میں تعلیم کے شعبے میں ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی نمایاںخدمات کے اعتراف میں حکومت کی طرف سے انھیں اعزاز فضیلت دیا گیا۔ ۱۹۹۲ء میں بزم اقبال، لاہور کے زیر اہتمام ان کی کتاب " اقبال شناسی اور ادبائے بلوچستان کی تخلیقات " شائع ہوئی۔اسی سال یونیسیف، اسلام آباد نے ان کی کتاب "بلوچستان میں بچوں کا ادب " شائع کی۔ ۱۹۹۳ء میں "میر جعفر خان جمالی کی ڈائری تحریک پاکستان کا ایک اہم باب" کے عنوان سے مکتبہ شال، کوئٹہ سے شائع ہوئی۔ 'اسلام اور بچے کی تربیت و نگہداشت" کے عنوان سے سیرت اکادمی، کوئٹہ سے ایک کتابچہ شائع ہوا۔اسی سال سیرت اکادمی کوئٹہ نے "بچوں کے لٹریچر کی تیاری میں نفسیات کا کردار" کے عنوان سے ایک اور کتابچہ شائع کیا۔" سیرت پاک رسولؐ کی خوشبو" کے عنوان سے ۱۹۹۳ء میں ہی سیرت اکادمی، کوئٹہ نے ان کی ایک کتاب شائع کی۔دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد نے "تعمیر، تعلیم اور معلم" اور " سرور کائناتؐ بحیثیت داعی امن واخوت" کے عنوان سے ان کی دو کتابیں شائع کیں۔اسی سال" تعلیمی مثلثیں"سیرت اکادمی بلوچستان سے شائع ہوئی۔اس سال بھی انھوںنے اردو اور فارسی مقالہ جات لکھے۔ ۲ انومبر تا۱۴ نومبر ۱۹۹۵ءپانچ اسکالرز پر مشتمل ایک وفد دورہ چین کے لیے گیا،اس وفد میں وہ بھی شامل تھے۔ ۱۹۹۷ء میں بھی آپ کا تخلیق وتحقیق کا شغل جاری رہا۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر اس لحاظ سے بہت خوش قسمت واقع ہوئے ہیں کہ،جو بھی تحریر کرتے ہیں وہ جلد ہی شائع ہو کر سامنے آجاتا ہے۔۱۹۹۷ء میں ان کی پانچ کتابیں شائع ہوئیں۔مشاورہ تعلیم، کوئٹہ نے "بلوچستان آزادی کے بعد" شائع کی۔اس کتاب کی تحریر میں انھیںاپنے برادر بزرگ پروفیسر انور رومان کی معاونت بھی حاصل رہی۔" تعلیم قائد اعظم کی نظر میں" محکمہ تعلیم حکومت بلوچستان اور عمل فاونڈیشن کے تعاون سے طبع ہوئی جب کہ "تحریک پاکستان اور بلوچستان"(توضیحی کتابیات)" بولان بک کارپوریشن کوئٹہ اور سیرت اکادمی کوئٹہ بلوچستان کے اشتراک سے سامنے آئی۔اسی سال۱۹۹۷ء میں

ان کی گراں بہا علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں ڈاکٹر انعام الحق کوثر کو صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی سے بھی نوازا گیا۔(۵۰) ۱۹۹۸ء میں مشاورہ تعلیم تحقیق کوئٹہ نے ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی کتاب ''مرزا غالب قومی و عالمی تناظر میں'' شائع کی۔''سیرت اکادمی بلوچستان نے ہی ان کا نعتوں کا انتخاب ''منتخب نعتیہ کلام'' کے عنوان سے شائع کیا۔۱۹۹۸ء میں وہ ملکی و بیرون ملک ہونے والی کانفرنسوں میں مصروف رہے۔ ۱۹ تا ۳۰/ اپریل ۱۹۹۸ء کو تہران میں ہونے والی نمائش کتب میں شرکت کے لیے ایران پہنچے۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی زندگی کام سے عبارت رہی۔انھوں نے اپنے دن رات کے خانے مقرر کر رکھے تھے۔تمام مصروفیات کے ساتھ ساتھ مطالعہ کی عادت اور تحریر کا ذوق ان کے ساتھ ساتھ رہا۔ چناں چہ ۱۹۹۹ء کے سال میں بھی ان کا ذہن اور قلم پوری طرح چلتا رہا۔ اس سال سیرت اکادمی بلوچستان، کوئٹہ نے ان کی دو کتابیں ''پاکستان موومنٹ اینڈ بلوچستان'' اور بلوچستان میں نونہالوں کا ادب (۱۹۴۷ء تا ۱۹۹۸ء) شائع کیں۔''دی فاروڈ پالیسی'' کا اردو ترجمہ بھی کیا، جو سیلز اینڈ سروسز، کوئٹہ نے شائع کیا۔ ۲۹/ستمبر تا ۸/ اکتوبر ۱۹۹۹ء تک وہ ایران کے دورے پر رہے اور وہاں ہونے والی امام خمینی کانفرنس میں شرکت کی۔۲۰۰۰ء میں بھی ان کا تحقیق و تحریر کا کام جاری رہا۔اس سال انھوں نے ''گلزار عابد'' کا دیباچہ قلم بند کیا، جو سیرت اکادمی بلوچستان، کوئٹہ سے شائع ہوا۔

بلوچستان جیسے علمی و ادبی سہولتوں سے محروم علاقے میں رہ کر ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے جس طرح علم و ادب اور تحقیق کی آبیاری کی یہ ان کے علم و ادب سے عشق کی عکاس ہے۔سال ۲۰۰۱ء میں بھی ان کا ذہن اور قلم چلتا رہا ۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی ہر سال کوئی نہ کوئی کتاب ضرور شائع ہوتی ہے، مختلف رسائل اور وجرائد میں ہر ماہ کوئی نہ کوئی علمی و ادبی مضمون بھی ضرور شائع ہوتا رہا اور ساتھ ہی اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات کے ساتھ ساتھ قومی و بین الاقوامی کانفرنسوں میں بھی شرکت کرتے رہے۔۲۰۰۱ء میں سیرت اکادمی بلوچستان کے تحت ان کی پانچ کتابیں ''سیرت طیبہؐ سے رہنمائی اکیسویں صدی میں''، ''قائد بلوچستان میں''، ''قائد اعظم اور بلوچستان''، ''قائد اعظم، علی گڑھ تحریک اور بلوچستان'' اور ''قائد اعظم، تحریک پاکستان اور صحافتی محاذ'' شائع ہوئیں۔اس سال انھوں نے اسلام آباد، لاہور اور کراچی میں ہونے والی کانفرنسوں میں بھی شرکت کی اور موضوعات کی مناسبت سے اپنے مقالے پیش کیے۔

ڈاکٹر انعام الحق کوثر کو لکھنے لکھانے کا شوق بچپن ہی سے پیدا ہوا اور بلوچستان میں رہ کر انھیں اس سرزمین سے ایسی محبت ہوئی کہ انھوں نے اپنی تحقیق و تحریر کا رخ اس دھرتی کی طرف موڑ دیا۔ محمد رفیق لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب کو جس بنا پر وطن عزیز کی نابغہ روزگار شخصیت میں اہم مقام حاصل ہوا وہ آپ کا تحقیقی و تخلیقی کام ہے۔ آپ نے بیسیوں کتابیں تصنیف کی ہیں لیکن آپ کی تحریروں کا حسن کمال یہ ہے کہ مضامین نیرنگی کے باوجود ان کتابوں کا تعلق کسی نہ کسی صورت صوبہ بلوچستان سے ضرور قائم رہتا ہے۔ آپ مشرقی روایات کے علمبردار ہیں اور آپ کی تحریروں میں آپ کی شخصیت کا یہ پہلو جھلکتا نظر آتا ہے۔ مشرقی روایات سے یہ نمایاں وابستگی آپ کو ورثے میں ملی ہے۔ آپ ابتدا ہی سے صوم وصلوٰۃ کے پابند رہے ہیں۔ اپنے شاگردوں اور رفقائے کار میں بھی مشرقی اقدار و افکار کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں بھی آپ کا یہی کردار کسی نہ کسی صورت ضرور نظر آتا ہے۔ بہر حال آپ کی ہر کتاب تحقیق و تدقیق کا نتیجہ ہے۔ حقائق کے حوالے سے یہ کتب مستند اور معتبر ہیں۔ یہی وجہ ہے آج ملک کی اہم اور بڑی لائبریریوں میں ڈاکٹر صاحب کی کتب موجود ہیں ۔ تحقیق میں مصروف طلبہ کے لیے تو یہ سب حوالہ جاتی اور ماخذی کتب کا درجہ رکھتی ہیں"۔(۵۱)

"مطالعہ اقبال بلوچستان میں "سیرت اکادمی بلوچستان کوئٹہ سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئی۔ ۲۰۰۳ء میں سیرت اکادمی بلوچستان، کوئٹہ نے آپ کی تحقیق "مادر ملت اور بلوچستان" شائع کی۔ اس سال بھی آپ نے ملک میں ہونے والی علمی وادبی کانفرنسوں میں شرکت کی اور اپنے مقالہ جات پیش کئے۔ ۲۰۰۴ء میں سیرت اکیڈمی بلوچستان، کوئٹہ کے زیر اہتمام آپ کی تین کتابیں "مادر ملت، سدا روشنی، توضیحی کتابیات، تاثرات"، "یوسف عزیز مگسی" اور "سلامتی کے راستے" شائع ہوئیں۔ ۲۰۰۵ء میں بھی زور قلم چلتا رہا۔ اس سال ادارہ تصنیف و تحقیق، کوئٹہ نے آپ کی کتاب "بلوچستان میں تذکرہ علامہ اقبال" شائع کی۔ ادارہ تصنیف و تحقیق، کوئٹہ نے اس سال ان کی تین مزید کتابیں "بلوچستان میں چند پہلو"، "بلوچستان میں تذکرہ اردو" اور "نقوش بلوچستان" شائع کیں۔ ۲۰۰۶ء میں ادارہ تصنیف و تحقیق، کوئٹہ نے ان کی دو کتابیں "بلوچستان میں تذکرہ اردو" اور "برصغیر میں بچہ مسلم لیگ" شائع کیں۔ اس سال بھی ملک کے اہم رسائل وجرائد میں ان کے تحقیقی مقالہ جات شائع ہوئے ۔ ۲۰۰۶ء میں ان کے دو فارسی مقالہ جات جب کہ ایک انگریزی مقالہ شائع ہوا۔ ۲۰۰۶ء میں بھی انھوں نے ملک کے مختلف شہروں میں ہونے والی علمی و ادبی کانفرنسوں اور سیمینارز میں شرکت کی اور موضوعات کی مناسبت سے تحقیقی و علمی مقالے پیش کیے۔

ڈاکٹر انعام الحق کوثر کو اللہ تعالیٰ نے علم کی دولت سے نوازا۔ بلوچستان سے پی ایچ ڈی ہونے کا اعزاز عطا فرمایا۔ بحیثیت استاد عزت و شرف عطا کیا۔ پرنسپل، چیئرمین تعلیمی بورڈ کوئٹہ، ڈائریکٹر تعلیمات ادارہ نصابیات و

مرکز تو سیع کوئٹہ جیسے انتظامی عہدوں پر سرفراز فرمایا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مطالعہ، انکساری اور انسانوں سے محبت کا جذبہ عطا کیا۔ پروفیسر نواب خان لکھتے ہیں :

" ڈاکٹر صاحب نہایت خلیق، ملنسار اور ٹھنڈے مزاج کے آدمی ہیں۔ ہر ایک سے محبت اور خندہ پیشانی سے پیش آنا ان کا شعار ہے۔ انکساری اور عاجزی ان کے مزاج کی پہچان ہیں۔ اور یہ وہ خصوصیات ہیں جو آدمی کو انسانیت کی معراج عطا کرتی ہیں۔(۵۲)

ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے کبھی نام ونمود اور شہرت کی پرواہ نہیں کی۔ وہ ایک سچے، سادہ مزاج اور کھرے مسلمان کی حیثیت سے دکھائی دیتے ہیں، اور ساتھ ہی پاکستانیت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری دکھائی دیتی ہے۔ انھیں قدرت نے دردو سوز سے معمور دل ودماغ سے نوازا، یہی دردو سوز ان کی تحریروں میں نمایاں نظر آتا ہے۔ امتیاز احمد عالی لکھتے ہیں:

" آپ کی شخصیت کا نمایاں پہلو سادگی اور انکساری ہے نام ونمود اور کروفر آپ سے پہلو بچا کر نکلتا ہے۔ ایسی بے شمار تقریبات جس میں انعام الحق کوثر مدعو تھے۔ فنکشن یا تقریب کی میزبانی کا شرف مجھے حاصل رہا۔ میں نے ڈاکٹر موصوف کے نام پر شرکاء محفل کو احتراماً کھڑے ہوتے دیکھا جو دوسروں کے لیے بہت کم ہے۔ آپ لوگوں خصوصاً علم و آگہی سے وابستہ لوگوں اور نوجوانوں کے دلوں میں رہتے ہیں۔(۵۳)

وہ ایک ہمدرد اور شفیق انسان کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔ خدمت خلق کا جذبہ اور دردمند دل رکھتے تھے۔ فیاض دل کے مالک تھے اور ہمہ وقت دوسروں کی مدد کے لیے تیار رہتے تھے۔ پروفیسر فضل باری لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب ایک مدبر، با اخلاق اور ہمدرد انسان ہیں۔ کالج کے زمانے میں حق دار طلباء کی فیس معاف کرانا اور کالج فنڈز سے Stipend دلانا ان کے اچھے کاموں میں سے ایک تھا۔ ادبی سوسائٹی بنا کر طلبہ میں لکھنے لکھانے کی عادت ڈالنا اور ادبی مجلس منعقد کرانا ان کی مصروفیات میں شامل تھا۔ کوئی طالب علم اگر مالی مسائل سے دوچار ہوتا تو اس طالب علم کے لیے مناسب حد تک مالی امداد حاصل کرتے۔"(۵۴)

ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی زندگی کے شب وروز مطالعہ، تحقیق اور تحریر میں گزرے۔ انھوں نے اپنی زندگی کا مقصد علم و ادب کی اشاعت بنائے رکھا۔ وہ بلوچستان کے علمی و ادبی حلقوں میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے، لیکن اس کے باوجود ان میں عجز و انکساری دیکھی گئی۔ ان کے رہن سہن، بول چال اور کھانے پینے کے معاملات میں سادگی کا عنصر نظر آتا ہے۔ لباس میں بھی سادگی کے قائل رہے۔ تصنع اور بناوٹ نام کی چیز کبھی ان کے قریب نہیں بھٹکی اور گفتگو کرتے وقت بھی وہ اپنے مخاطب پر اپنے علم و ادب کا رعب نہیں پڑنے دیتے تھے۔

پروفیسر اقبال قاضی لکھتے ہیں:

"مجھے ڈاکٹر صاحب کو نہایت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ آپ ہمیشہ سادہ لباس پہنتے ہیں۔ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ کسی بھی اعتبار یا پہلو سے نہیں لگتا کہ سامنے بیٹھا ہوا شخص اتنا بڑا اسکالر ہے اور آپ کی مجلس میں بیٹھنے والا اپنے بہت سارے ضروری کام بھول کر آپ کی باتوں سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔ آپ سے ہر ملاقات میں ایک نئے پن (جدت) کا احساس ہوتا ہے۔ ایک نہایت دھیمے مزاج کے ملنسار شخصیت کے مالک، جو تھکنے، ستانے یا رکنے کا نام لیے بغیر اپنا مشن جاری رکھتے ہیں۔ تمام لوگوں کے لیے آپ کے دل میں ایک عجیب درد محسوس کیا جاسکتا ہے"(۵۵)

ایک محقق میں پیار و محبت، صبر، تحمل، بردباری اور عاجزی وانکساری کا پایا جانا بہت ضروری ہوتا ہے۔ یہ سارے اوصاف آپ کی ذات میں پائے جاتے ہیں۔

اس بارے میں پروفیسر اقبال قاضی لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب کو میں نے کبھی غصہ یا جلدی میں نہیں دیکھا۔ گویا انھیں کسی معاملے میں دیر نہیں ہوتی۔ کہیں کسی کے پاس معلومات کے لیے بار بار جانا اور کئی کئی دن انتظار کرنا، سرد مہری کے برتاؤ کا نوٹس نہ لینا، برخلاف طبیعت بات کو ہنس کر ٹال دینا ڈاکٹر صاحب کے اچھے اوصاف ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ اس قدر حساس انسان یہ سب کچھ کیونکر برداشت کرپاتا ہے"۔(۵۶)

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی کہتے ہیں:

"ان سے مل کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ انھیں اعلیٰ علمی حلقوں میں جس قدر امتیاز نصیب ہوتا جاتا ہے اسی قدر ان پر عجز و نیاز کا غلبہ ہوتا جاتا ہے۔ منحنی ساقد، مختصر سا جسم اور عاجزانہ چال ڈھال ان کے عالم و مصنف اور محقق و دانشور ہونے کی غمازی نہیں کرتی بلکہ ایک طالب علم اور درویش ہونے کی چغلی کھاتی ہے اور یہی در اصل حاصل علم اور خلاصہ فکر ہے"۔(۵۷)

ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے اپنی زندگی بھرپور طریقے سے بسر کی۔ ان کی زندگی کی مصروفیات کو دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے، کہ انھوں نے اتنے سارے کام بیک وقت کس طرح سرانجام دیے۔ یقیناً اس کے لیے بے پناہ ہمت اور توانائی درکار تھی، اور ان کے اندر یہ توانائی عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ زیادہ ہوئی، کم نہیں ہوئی۔

سابق وفاقی وزیر، افسانہ نگار اور معروف ادیب، مرزا طاہر محمد خان لکھتے ہیں:

”جس طرح وہ اپنے کام میں مگن رہتے اور جس قدر اس کام سے لطف حاصل کرتے، جس قدر عرق ریزی سے مواد کی جمع آوری کرتے مجھے ان کی وابستگی پر رشک آتا اور میرے اندر ویسا کام کرنے کا شدید احساس پیدا ہوتا لیکن اب محسوس ہو رہا ہے کہ ان کے اندر جو قوت، محنت، جان فشانی اور انتھک جستجو کی توانائی موجود تھی اس تک پہنچنا ممکن نہیں ہے (۵۸)

پروفیسر عبد الجبار شاکر لکھتے ہیں:

”فروری ۲۰۰۰ء کے دوسرے عشرے کی ابتداء کی بات ہے کہ مجھے انٹر نیشنل سیرت کانگرس کے مندوب کی حیثیت سے اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کی مہمانی میسر آئی۔ڈاکٹر کوثر بھی مندوب کی حیثیت سے اس یہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔حسن اتفاق سے ہمیں سرکاری ضیافت گاہ کے ایک ہی حصے میں ٹھہرایا گیا۔۱۹۷۷ء کی انٹر نیشنل اقبال کانگرس کے بعد یہ دوسرا موقع تھا کہ ڈاکٹر صاحب سے اس قدر طویل رفاقت میسر آئی۔میں نے اس قیام میں محسوس کیا کہ ڈاکٹر صاحب کی قلبی واردات میں روحانیت ایک عامل کے طور پر داخل ہے۔نمازوں کا خصوصی اہتمام، سحر خیزی اور اورادووظائف اور بالخصوص درود شریف کی خصوصی تسبیحات ان کا معمول تھیں“(۵۹)

اللہ پاک نے ڈاکٹر کوثر کو بچپن سے خوش مزاج اور خوش اخلاق بنایا تھا، گھل مل کر رہتے تھے۔اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کا ہنر جانتے تھے۔مہمان نواز بھی تھے،اور دوسروں کی مدد کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔بقول پروفیسر انور رومان:

”محمد انعام الحق بچپن ہی سے زود آمیز اور زیادہ آمیز تھا۔وہ اپنے ہم عمروں سے خوب گھلا ملا رہتا تھا لیکن وہ کسی کے پیچھے لگنے کی بجائے ہمیشہ دوسروں کو اپنے پیچھے لگاتا تھا۔وہ اپنے محلے کے بچوں کو اکٹھا کرتا اور انھیں نماز، روزہ، والدین کی اطاعت، اساتذہ کی عزت، پرندوں اور جانوروں سے شفقت، وطن سے محبت، انسان سے دوستی، سادگی اور نیکی پر لیکچر دیتا۔۔۔انعام میں جو کچھ ملتا وہ اپنے بیگ میں ڈالتا رہتا۔ایم-اے کا میرا داخلہ جانا تھا۔والد صاحب کے پاس پیسے کم تھے۔اپنے بیگ سے چالیس پچاس روپے نکال دیئے۔اور ایک پین بھی دیا۔میرا داخلہ آسانی سے چلا گیا اور میں نے اسی پین سے ایم-اے کے پرچے حل کیے۔۔۔۔وہ بے حد متواضع تھا اور مہمان نوازی میں روحانی خوشی محسوس کرتا تھا۔۔۔وہ اپنی دید و شنید اور افکار خیالات کو چھپانے کا عادی نہ تھا۔اسے جو کچھ زندگی سے حاصل ہوتا وہ اسے بلا تکلف دوسروں تک پہنچا دیتا تھا۔“(۶۰)

ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے زمانہ طالب علمی میں اپنی بے پناہ مصروفیات اور وسائل کی کمی کے باوجود تحقیق و تحریر کا جو سلسلہ شروع کیا،وہ ساری زندگی دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ جاری رکھا۔وقت اور وسائل کی کمی کو کبھی آڑے نہیں آنے دیا۔بے شک یہ اللہ کی مدد و نصرت کے بغیر ممکن نہیں۔بلوچستان کے ممتاز ادیب و شاعر عین سلام کہتے ہیں:

”بلوچستان کی تہذیبی زندگی کی سرگرمیوں مختلف النوع جہات میں اس درویش منش شخصیت نے جتنا کام کیا میں سمجھتا ہوں اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں۔ایسے اہم اور بڑے کام صرف وسائل رکھنے والا کوئی ادارہ یا کوئی بڑی اکیڈمی ہی انجام دے سکتی ہے۔بغیر اللہ کی توفیق کے یہ فردِ واحد کے بس کی بات نہیں کہ وہ اتنے بہت سے کام اتنی سرخروئی سے پایہ تکمیل تک پہنچا سکے۔۔۔کام کام کام۔دن رات کام اور عمر بھر کام سے عشق رکھنے والی اس نہایت شائستہ شخصیت کو بہت مودبانہ سلام پیش کرتا ہوں۔اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔“(۶۱)

ڈاکٹر انعام الحق کوثر،بلوچستان ہی کے لیے ایک قابل افتخار سرمایہ نہیں تھے،بل کہ پوری پاکستانی قوم کے لیے باعث فخر ہیں۔ان کی پوری زندگی علم و ادب،دین و ملت اور پاکستان کے استحکام اور سربلندی کے لیے وقف رہی۔انھوں نے ہمیشہ ایک اچھے انسان،ایک اچھے مسلمان اور ایک اچھے پاکستانی کی حیثیت سے سوچا،دیکھا اور عمل کر کے دکھایا۔انھوں نے اُردو و فارسی ادب کے لیے بھی گراں بہا خدمات سرانجام دیں۔بلوچستان کا حق بھی ادا کیا،ایک دردمند پاکستانی کی حیثیت سے اپنے قول و عمل اور گفتار و کردار کے ذریعے نظریہ پاکستان کی ترجمانی کر کے بھی دکھائی۔اور اس کے ساتھ ہی ایک سچے اور کھرے مسلمان ہونے کی حیثیت سے دین اسلام کی تعلیمات کی اشاعت و فروغ سے بھی غافل نہیں ہوئے۔

حوالہ جات:

۱۔ ’’سپیدہ سحر‘‘، مشمولہ ’’ڈاکٹر انعام الحق کوثر، حیات و خدمات‘‘، مرتبہ ڈاکٹر احتشام الحق، باراول، ادارہ تصنیف و تحقیق، بلوچستان کوئٹہ، ۲۰۰۸ئ، ص:۷۵

۲۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، ’’علامہ اقبال اور بلوچستان‘‘ بار دوم، سیرت اکادمی بلوچستان، کوئٹہ، ۱۹۹۸، ص:۱۲۵

۳۔ ۔میرا بچپن، مشمولہ ڈاکٹر انعام الحق کوثر حیات و خدمات، ص:۷۸

۴(۔ ہمارے ہاں تحقیق کرنے والوں کی پذیرائی نہیں کی جاتی، مشمولہ ڈاکٹر انعام الحق کوثر حیات و خدمات، ص:۲۵۷

۵۔ قلمی خاکہ از ڈاکٹر انعام الحق کوثر

۶۔ ایضاً

۷۔ آزاد ابن حیدر، ’’تاریخ بلوچستان مسلم لیگ‘‘، علامہ اقبال فورم، کراچی، ۲۰۰۶ء، ص:۳۰

۸۔ ’’کھوجی، پروفیسر انعام الحق کوثر‘‘ مشمولہ ’’مرزا غالب قومی و عالمی تناظر میں‘‘، ڈاکٹر انعام الحق کوثر، بار اول، مشاورہ تعلیمی تحقیق، کوئٹہ، ۱۹۹۸ء، ص:۲۰

۹۔ کوائف از قلم ڈاکٹر انعام الحق کوثر

۱۰۔ ’’کھوجی، پروفیسر انعام الحق کوثر‘‘ مشمولہ ’’مرزا غالب قومی و عالمی تناظر میں‘‘، ص:۲۳

۱۱۔ قلمی کوائف از قلم ڈاکٹر انعام الحق کوثر

۱۲۔ اختر علی خان بلوچ، ’’بلوچستان کی نامور شخصیات‘‘، رائل بک کمپنی کراچی، ۱۹۹۶، جلد سوم، ص:۲۸۰

۱۳۔ قلمی رقعہ از رحمت علی نازش، ہیڈ اور یئنٹل ٹیچر، اسلامیہ ہائی سکول ننگل انبیائ، ضلع جالندھر، ۷ر جولائی ۱۹۴۶ء

۱۴۔ قلمی کوائف از قلم ڈاکٹر انعام الحق کوثر

۱۵۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، ’’برصغیر میں بچہ مسلم لیگ‘‘، ادارہ تصنیف و تحقیق، بلوچستان کوئٹہ، ۲۰۰۶ء، ص:۸۴

۱۶۔ قلمی رقعہ از پروفیسر انور رومان

۱۷ ۔عمران نقوی، شرف ملاقات، لاہور ۲۰۰۶ء ص:۱۰۰

۱۸ ۔"بلوچستان کی نامور شخصیات"، جلد سوم۔ص:۲۸۱

۱۹ ۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر، "علامہ اقبال اور بلوچستان" بار دوم، سیرت اکادمی بلوچستان، کوئٹہ، ۱۹۹۸ء، ص:
۱۲۵۔۱۲۶

۲۰ ۔سالانہ روائیداد، بزم ادب، چک نمبر ۱۷۔ون، اے۔ایل سردار پور، براستہ رینالہ خورد ضلع منٹگمری، ۲۸
جنوری ۱۹۵

۲۱ ۔خط از حامد علی خان حامد، مدیر مخزن لاہور بنام انعام الحق کوثر، ۲۵/ اپریل ۱۹۵۰ء

۲۲ ۔یوم اقبال کی کارروائی، محمد انعام الحق جالندھری، جنرل سیکرٹری بزم ادب، ۷/ مئی ۱۹۵۰ء

۲۳ ۔ایضاً

۲۴ ۔خط از رحمت علی نازش بنام انعام الحق کوثر

۲۵ ۔خط از ش ضحی بنام انعام الحق کوثر

۲۶ ۔خط از پروفیسر آغا صادق مرحوم بنام انعام الحق کوثر

۲۷ ۔سالانہ روائیداد، بزم ادب از انعام الحق کوثر، جنرل سیکرٹری، بزم ادب، ۱۹۵۰ء

۲۸ ۔ایضاً

۲۹ ۔ قلمی کوائف از قلم ڈاکٹر انعام الحق کوثر

۳۰ ۔"بلوچستان کی نامور شخصیات"، جلد سوم، ص:۲۹۰

۳۱ ۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی علمی و ملی خدمات، ماہنامہ سیارہ، لاہور، اشاعت خاص ۲۰۰۴ء، ص:۷۵

۳۲ ۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی علمی و ملی خدمات، ماہنامہ سیارہ، لاہور، اشاعت خاص ۲۰۰۴ئ، ص:۵۱

۳۳ ۔ایضاً ص:۱۷۵

۳۴ ۔"بلوچستان کی نامور شخصیات"، جلد سوم، ص:۲۸۱

۳۵ ۔ایضاً

۳۶ ۔"ڈاکٹر انعام الحق کوثر، حیات و خدمات"، ص:۶

۳۷ ۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر سے ٹیلی فونک گفتگو، بتاریخ ۱۱/ دسمبر ۲۰۰۹ء

۳۸ ۔ششماہی مجلہ تاریخ و ثقافت پاکستان، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد، اپریل۔ ستمبر ۲۰۰۲ئ، ص:۱۱

۳۹ ۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی علمی و ملی خدمات، ماہنامہ سیارہ، لاہور، اشاعت خاص ۲۰۰۴ء، ص:۸۸

۴۰ ۔"ڈاکٹر انعام الحق کوثر، حیات و خدمات"، ص:۳

۴۱ ۔"ڈاکٹر انعام الحق کوثر بطور منتظم"، مشمولہ "ڈاکٹر انعام الحق کوثر، حیات و خدمات"، ص:۱۳۸

۴۲ ۔"ڈاکٹر انعام الحق کوثر، حیات و خدمات"، ص:۴

۴۳ ۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر، "بلوچستان آزادی کے بعد"، مشاورہ تعلیمی تحقیق، کوئٹہ ۱۹۹۷ئ، ص:۱۶۶

۴۴ ۔"ڈاکٹر انعام الحق کوثر ایک عظیم محقق، ایک مشفق استاد"، مشمولہ "ڈاکٹر انعام الحق کوثر، حیات و خدمات"، ص:۱۲۴

۴۵ ۔"بلوچستان آزادی کے بعد"، ص:۱۵۰

۴۶ ۔"ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔ ادبی اور تحقیقاتی دنیا کا مجاہد"، مشمولہ "ڈاکٹر انعام الحق کوثر، حیات و خدمات"، ص:۱۱۵

۴۷ ۔"ڈاکٹر انعام الحق کوثر ایک عظیم محقق، ایک مشفق استاد"، مشمولہ "ڈاکٹر انعام الحق کوثر، حیات و خدمات"، ص ص:۲۳۔۱۲۲

۴۸ ۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی علمی و ملی خدمات، ماہنامہ سیارہ، لاہور، اشاعت خاص ۲۰۰۴ئ، ص:۷۶

۴۹ ۔"یہ پیارے لوگ"، شاد پبلی کیشنز، کوئٹہ، ۲۰۰۶ء، ص:۶۲

۵۰ ۔ششماہی نقطۂ نظر، اسلام آباد، اکتوبر ۱۹۹۸ئ۔ مارچ ۱۹۹۹ء، ص ص:۳۵۔۳۴

۵۱ ۔"چلنا چلنا مدام چلنا"، مشمولہ "ڈاکٹر انعام الحق کوثر، حیات و خدمات"، ص ص:۵۵۔۱۵۴

۵۲ ۔"پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر، فرض شناس استاد، مایہ ناز ادیب"، مشمولہ "ڈاکٹر انعام الحق کوثر، حیات و خدمات"، ص:۲۲۲

۵۳ ۔"ایک روشن دیا"، مشمولہ "ڈاکٹر انعام الحق کوثر، حیات و خدمات"، ص:۲۱۹

۵۴ ۔"پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر"، مشمولہ "ڈاکٹر انعام الحق کوثر، حیات و خدمات"، ص ص:۱۳۔۲۱۲

۵۵ ۔"ڈاکٹر انعام الحق کوثر، ادبی اور تحقیقاتی دنیا کا مجاہد"، مشمولہ "ڈاکٹر انعام الحق کوثر، حیات و خدمات"، ص ص:۱۹۔۱۱۸

۵۶ ۔ ایضاً، ص:۱۱۷

۵۷ ۔ ''سفیر اسلام اور نقیب پاکستان''، مشمولہ ''ڈاکٹر انعام الحق کوثر، حیات و خدمات''، ص:۱۰۱

۵۸ ۔ ''ڈاکٹر انعام الحق کوثر، شخصیت اور مقام''، مشمولہ ''ڈاکٹر انعام الحق کوثر، حیات و خدمات''، ص:۱۰۶

۵۹ ۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی علمی و ملی خدمات، ماہنامہ سیارہ، لاہور، اشاعت خاص ۲۰۰۴ء، ص:۸۷۔۸۶

۶۰ ۔ ''سپیدہ سحر''مشمولہ ''ڈاکٹر انعام الحق کوثر، حیات و خدمات''، ص:۷۶

۶۱ ۔ ''ڈاکٹر انعام الحق کوثر''، مشمولہ ''ڈاکٹر انعام الحق کوثر، حیات و خدمات''، ص:۱۱۳۔۱۱۲